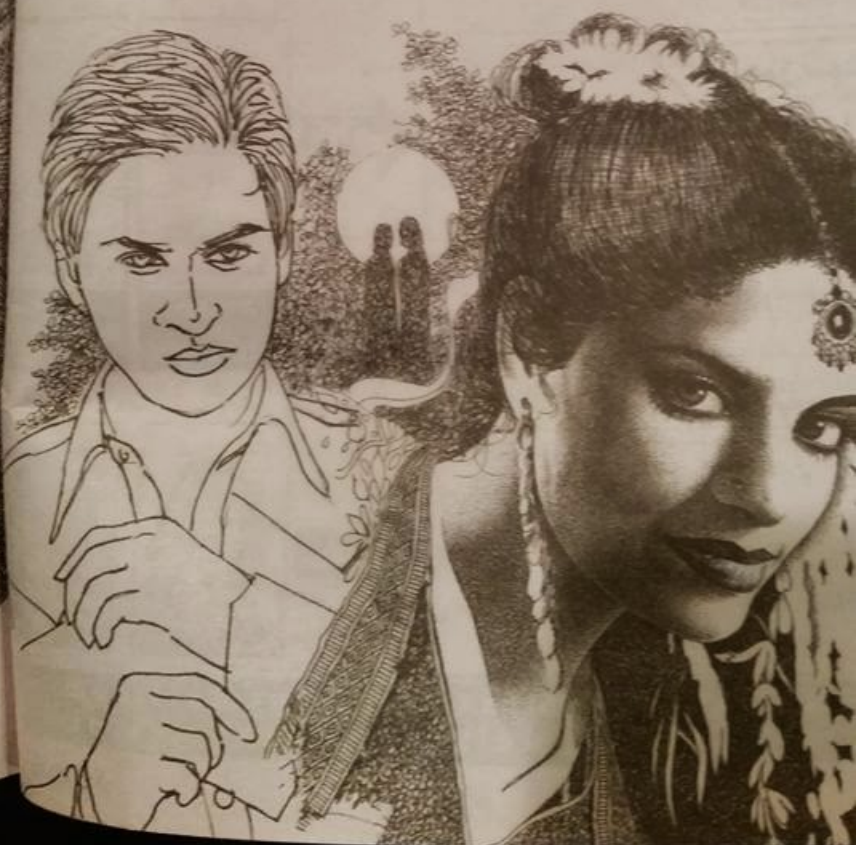


اعتبارِ محبت

عالیہ حرا

کے عرصے میں تم نے مجھے کیا دیا ہے سوائے دکھانے
درد مسلسل اور جلن کے۔ تم ایک بد فطرت عورت ہو
میں گھر بسانے کی صلاحیت ہے ہی نہیں۔ میرا دل
ہے کہ میں دیوار سے سر ٹکرا کر مر جاؤں یا اس وقت
دوبارہ دسترس میں کر لوں جب میں نے تمہارا انتخاب
تھا۔ کیا ہے تمہارے اندر؟ سوائے اس چہرے
کے۔ اس چہرے نے مجھے کتنی اذیت دی ہے، کوئی
سے پوچھے خوبصورت چہرے کی اصلیت۔۔۔“
عباد کے منہ سے کف نکل رہا تھا اسے شایان

”قسم ایک کینہ پرور، حاسد اور منافق لڑکی ہو مجھے
وہ پر انسوس اور ندامت ہے کہ میں نے تمہارا انتخاب
کیا، اپنے پیاروں کا دل دکھایا اور یہ مجھے دل دکھانے
کی سزا ملی ہے تم میرے لیے محبت نہیں سزا ہو مجھے شفقت ماں
کا دل دکھانے کی سزا ملنی چاہیے۔“ عباد کے لہجے میں
نکار اور آنکھوں میں غم تھا۔۔۔ شایان ساکت تھی۔
”کس قدر چرب زبان، جھگڑالو اور طعن زن ہو تم،
تم پر ختم ہے، انواہیں پھیلانے میں تم ماہر ہو، کوئی
بوصیت تم میں گھر بسانے کی ہے، پچھلے ڈیڑھ سال



سید اور اس سے خونی شایان کو جانے کی کوشش
رہے تھے اور ان کے ایک ایک کلمہ سے

1-714-0386

’ہوشیار پریشان اعلو کے ہیں سب۔ مراد پریشان

وہ کہتا ہے کہ میں نے اسے دیکھا ہے

پرو
چار
ہما
نے
گر
سلسل
دو
نہ
ہمارا

خاموش رہے، منہ پھاڑ کر نہ بولے۔ ”بڑی بھابی کو ہر

آ رہا تھا۔

”کیا ضرورت تھی اسے میری بھابی سے یہ کہنے کی کہ نانکھ تو بس اس آنے جانے میں خوش رہتی ہے۔ ہر بار نیا لڑکا اسے چھوڑتا ہے۔ شادی نہ ہونے کا خوب فائدہ اٹھاتی ہے۔“

”بھابی پلیز۔۔۔“ عباد نے معذرت طلب نظروں سے انہیں دیکھا۔

”میں نے اسے سمجھایا ہے آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔“

”شکایت تو مجھے جب ہوگی جب میں اس سے ملوں گی، بات کروں گی، میں اسے ایسا سیدھا کروں گی کہ یاد رکھے گی۔“ بڑی بھابی بولیں تو عباد نے سر جھکا لیا۔

”شکل کے چارم میں مبتلا ہو کر تم نے اپنی زندگی خراب کر لی۔ اس عورت میں گھریلو سکھ دینے والی صلاحیت ہی نہیں ہے کیا تھا اگر تم فارسیہ سے شادی کر لیتے، آج بھی تمہاری یاد میں وہ رونی ہے۔“ مسلسل

بولتے ہوئے انہوں نے سر جھکائے بیٹھے عباد کی خاموشی کو نوٹ کیا۔ وہ اب ریوٹ سے کھیل رہا تھا۔

”بھابی، میری طرف سے نانکھ سے معذرت کر لیجئے گا فاروق سے بھی۔“

”عباد۔۔۔۔۔“ بڑی بھابی نے تاسف سے اسے دیکھا۔

”کس، کس سے معذرت کرو گے اور کرواؤ گے۔“

”پھر اور کیا کروں۔۔۔۔۔ وہ اب گھر نہیں آئے گی۔“

بڑی بھابی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ گویا ابھی فارسیہ کے لیے راہیں ہموار ہیں۔

”اچھا کرو گے جو اسے نکال باہر کرو گے کسی چیز کا سلیقہ نہیں ہے۔ کب کہاں کیا بولنا ہے، ادب لحاظ نہیں،

تف ہے ایسی عورتوں پر۔ اچھا ہے جس کم جہاں پاک۔ میں خود کرواؤں گی تمہاری شادی اپنی پسند کا انجام تو دیکھ لیا ہے نا۔ اب ہمارا پسند اپنا کر بھی دیکھ لو۔“ وہ اپنے نمبر بڑھوا رہی تھیں۔

شاندار پرسنائی، شاندار جاب، وجیہہ عباد کو وہ اپنا

نہیں کریں گے۔“ عباد ناشتا ادھورا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

”بھابی یا سر بھائی اور اولیں بھائی آفس چلے گئے ہیں بے عباد نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

”ہاں، ساڑھے آٹھ بجے چلے گئے تھے۔“

”ٹھیک ہے امی، میں گاڑی چھوڑ کر جا رہا ہوں کلینک چلی جائیے گا۔“ عباد اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکلنے لگا۔

”عباد، ہم زندگی کی حقیقتوں سے نظر چر کر گزر سکتے ہیں اور نہ پہلو تہی کر سکتے ہیں، ہمیں ان مسئلوں کو سلجھانا پڑتا ہے۔“ عباد نے جاتے ہوئے قدموں کو روک لیا۔

”زندگی میں الجھتے دھاگوں کو سلجھانے کے بجائے توڑ دینا چاہیے۔“

”میں چلتا ہوں امی جان دیر ہو رہی ہے خدا حافظ۔“

”زندگی دھاگے کی لچھی نہیں ہے عباد کہ اس میں سے الجھتے دھاگوں کو توڑتے چلے جائیں۔“ انہوں نے

عباد کا چہرہ پڑھ لیا تھا۔

”جی۔۔۔۔۔“ وہ باہر نکل گیا۔

زبیدہ بیگم نے سر جھکا کر تھرا نہ انداز میں دلے کا پیالہ آگے کر لیا۔ راحمہ سب کو چائے دینے لگی۔

☆☆☆

”تم نے پوچھا تھا اس سے اس نے ایسا کیوں کیا؟“ بڑی بھابی عباد سے مخاطب تھیں۔ چینل بدلتے ہوئے وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

”نہیں۔“ اس نے ٹی وی آف کر دیا۔

”کیوں۔۔۔ بڑی بھابی اس کے سامنے کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔ وہ دھیرے سے ہاتھ مسلنے لگا۔

”تم نے اسے لائنس دیا ہے کہ جو منہ میں آئے بکے جاؤ یا پھر اس کی زبان اتنی لمبی ہے کہ تم ڈر جاتے ہو۔“

”پلیز بھابی۔۔۔“ عباد بے بسی سے بولا۔

”کیوں، اس نے فاروق اور نانکھ کے متعلق ایسا کہا۔ جب کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے اور اگر تم نے نہیں پوچھا تو میں خود جا کر بات کروں گی۔ نانکھ نے رورو کر اپنا برا حال کر لیا ہے۔ انسان کو اگر بولنا نہیں آتا تو

بہنوئی بنانا چاہتی تھیں مگر وہ بچ و تاب کھا کر رہ جاتی تھیں۔ شایان جانے کہاں اسے جونک بن کر چٹ گئی تھی جو جان نہیں چھوڑ رہی تھی۔ لیکن اب جان چھٹ جائے گی۔ ان کی آنکھیں بلی کی طرح چمکنے لگیں۔ خنجر سے عباد کی جانب دیکھا۔ وہ فون کی بیل سن کر اٹھ گیا تھا۔

”تینوں بہنیوں کے ساتھ کھڑا کتنا بچے گا۔ کچھ یہ خود بھی شرمندہ ہے اپنے کیے پر۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اب ہمارے کیے پر چلے گا اور..... اور میں ساسوجی سے کہتی ہوں کہ لوہا گرم ہے چوٹ لگائیے اور بر خوردار کے لیے اپنی پسند سے بہو لے آئے۔ اپنی پسند کی بہو۔ فار یہ یا سحر۔“ ان کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ فون سن کر عباد عجلت بھرے انداز میں باہر نکل گیا۔

☆☆☆

”ہے کہاں عباد کی دلہن؟“ پھو مریم تن فن کرتی گھر میں داخل ہوئیں۔

”کیا ہوا پھپھو اتنے غصے میں کیوں ہیں؟“ سامنے ہی ندا کھڑی تھی۔

”کیا ہوا آپا.....“ باہر نکلتیں زبیدہ بیگم بھی ٹھنک کر رکیں ان کا لال بھبھو کا چہرہ ان کی چھٹی حس کو خبردار کر رہا تھا۔

”زبیدہ تمہاری یہ بہو میرے کن گناہوں کا خمیازہ ہے۔“ وہ دھم سے لان میں رکھی چیمز پر بیٹھیں، پھسلتا ہوا چشمہ ٹھیک کیا۔

”آپا ہوا کیا.....؟ سب خیریت ہے نا۔“ زبیدہ بیگم ان کے سامنے بیٹھیں اور ندا دلچسپی کے خیال سے آگے آگئی۔ شایان سے متعلق کوئی خبر ہے۔

”بات اس کے سامنے ہو جائے تو ٹھیک ہے اس سے کیا بعید کہ مکر جائے یا پھر مجھے جھوٹا کہہ دے۔“ مریم بولیں۔

”مگر پھپھو شایان تو میکے گئی ہے۔“ ندا نے اطلاع دی۔

”ارے ایسی چھو کریوں کو تو ہمیشہ کے لیے گھر بدر کر دو۔ تمہارا حوصلہ ہے اور آفرین بھی تم پر ہے۔ میری

ہوتی ایسا بدتمیز، گستاخ اور کینہ پرور اور منافق بہو تو دل جوتے یہاں مارتی اور پچاس جوتے اس کے ماں باپ کے سامنے کہ کیا سکھا پڑھا کر لڑکی کو بھیجا ہے۔“ زبیدہ بیگم نے ندا کو پانی لانے کا اشارہ کیا۔

”آرام سے آیا، مت کریں غصہ آرام سے بتائیں کہ ہوا کیا ہے؟“

”ارے کن گنوں کی ہے تمہاری بہو، سنو گی تو ہاتھ لگاؤ گی کانوں کو۔ میری بہو کو میرے خلاف کر رہی ہے، کہتی ہے الگ گھر لے لو۔ اپنی سلطنت قائم کرو اور تو اور میرے داماد کو کہتی ہے کہ بیٹی کا حصہ داماد کا ہی ہوتا ہے آپ کو نوکری نہیں ملتی تو انکل سے کہیں اتنی بڑی فرم ہے اور بیٹی بھوکے مر رہی ہے۔“ زبیدہ بیگم چپ بیٹھی منہ سے کف اڑاتی آگ بگولہ سی نند کو دیکھتی رہ گئیں۔

”ہماری گھر میں تو پھوٹ پڑ گئی ہے کہ حصہ دو۔ وہ ہوتی کون ہے خاندان کے معاملات میں بولنے والی..... دامادوں کی زبانیں رکتی ہیں کیا۔“

”پھپھو پانی۔“ ندا پانی لائی تو پیچھے راحمہ بھی تھی، بڑی بھابی سارا منظر نامہ اوپر سے دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے غٹ غٹ کر کے پانی ایک سانس میں پی لیا۔

”یہاں بھی یہی حال ہے پھپھو، امی کی چپ اور عباد کی شہ وہ بہت پر پرزے نکال رہی ہے۔ خاندان میں اس نے ناند کا اسکیٹل بنا ڈالا فاروق کے ساتھ۔ بڑی بھابی تو سخت غصے میں ہیں۔“ راحمہ کی اطلاع پر مریم بیگم نے تاسف و ملال سے بھانج کو دیکھا۔

”تو تم بھی اس کے دام حسن میں گرفتار ہو گئیں؟“

”لاحول ولا قوۃ.....“ زبیدہ بیگم نے سر جھٹکا۔

”ارے بگڑی ہوئی رئیس زادی ہو گی اپنے گھر کی،

کر دو میرے حوالے کر دوں گی سیدھا۔ اور یہ عباد کہاں ہے، میں لوں اس کی خبر۔ بیوی کو پٹا ڈال کر رکھے، میں تو اس کے باپ کے گھر جاؤں گی، جانے کون سے تیر

چلانے وہ میکے گئی ہے جو تیر یہاں چلا کر تلواریں لڑوادی ہیں پہلے اس کا تو حساب دے۔ تو یہ..... تو یہ ایسی بد لحاظ

اور بد فطرت پورے خاندان میں تھو تھو ہو رہی ہے۔ ایسی ہے عباد کی دلہن.....“

”رضیہ کا جمال کہہ رہا ہے میرے لیے شایان جیسی
 دہن ڈھونڈو۔ ہونہہ! دیدوں میں حیانہ پاکیزگی۔ شتر
 بے مہار بنا رکھا ہے۔“ وہ نان اسٹاپ بولے جارہی تھیں
 اور بولتی ہی رہتیں۔ جب تک ان کا غصہ، عناد، تنفر نکل
 نہیں جاتا اور یہ شایان کی کلاس لے کر نکلتا تھا، اس کی
 کلاس کیسے لیتیں وہ تو باپ کے گھر بھاگ لی تھی۔ راحہ
 اور ندائیک دوسرے کو ذومعنی انداز میں دیکھ رہی تھیں۔
 ”اب آیا حج معنوں میں اونٹ پہاڑ کے نیچے۔“

☆☆☆

سارہ نے سوپ پلانے کے بعد اس کا سر نیچے کیا،
 رومال سے منہ صاف کیا، چہرے پر بے انتہا نقاہت
 تھی۔ محبت سے اس کا رخسار تھکا۔
 ”بس تھوڑے دنوں میں تم ٹھیک ہو جاؤ گی بلکہ
 ٹھیک ہو۔ بس کمزوری ہے ختم ہو جائے گی۔“
 ”آنی“ اس کی سیاہ گھنیری پلکیں رخساروں پر لرز
 رہی تھیں اور صبح رخساروں کی زردی نمایاں ہو رہی تھی۔
 ”جی بیٹا۔“ پیالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس کے
 چہرے سے بال پیچھے کرتے توجہ سے دیکھا۔

”عباد۔ عباد نہیں آئے؟“

”شایان!۔ ان کا ہاتھ لرز گیا۔“

”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہیں شدید زروس
 ڈاؤن تھا اب تک کوئی ٹینشن مت لو۔ چند دن بعد سب
 ٹھیک ہو جائے گا۔“

”لغت ہے میری زندگی پر۔“ اس کے گرد ایک ہی
 جملے کی گونج تھی۔

”آنی“ دھیرے سے آنکھیں بند کیں ”انہیں بتایا
 ہے کہ میں۔۔۔۔۔ سارہ نے ملال سے اسے دیکھا۔

”میں نے کہا تا تم فکر مت کرو، وہ آئے گا ضرور
 آئے گا۔ کسی دوسرے شہر گیا ہوا ہے، میں نے فون کیا
 تھا۔“ آنٹی سارہ نے کہا۔

”فون۔۔۔ اس نے بے بسی سے کہا۔ لفظوں کے
 تازیانے اس پر کوڑے برسانے لگے۔

”پیا کدھر ہیں۔۔۔۔۔؟“

”وہ۔۔۔۔۔ انہوں نے نگاہ چراتے ہوئے اس پر

کھل ٹھیک کیا۔ ”وہ تو بزنس ٹور سے واپس ہی نہیں
 لوٹے، نہ ہی فون آیا اور تم اب سو جاؤ زیادہ بولنے سے
 زیادہ چٹکن ہوگی اور تم جاتی ہو کہ۔۔۔۔۔“ دھیرے سے
 ہاتھ دبا کر سونے کی تلقین کرتی وہ پیالہ اٹھا کر اس کے
 مزید ممکنہ سوالوں سے بچنے کے لیے باہر نکل گئیں۔

”عباد۔“ اس کا دل سسکا۔ ”عباد۔۔۔۔۔ عباد!“
 آنسو رخساروں پر بہہ نکلے۔ ”مجھے معاف کر دو۔“ بند
 آنکھوں کے پیچھے اس ستم گر کا سراپا تھا اور اس کے
 دونوں ہاتھ بندھے تھے۔ اشک بے اختیار ہو رہے
 تھے۔

”میں بد فطرت نہیں، میں منافق نہیں، میں۔۔۔۔۔
 میں بری عورت نہیں۔ بس ایک بار۔۔۔۔۔ بس ایک بار“
 کشن منہ پر رکھے وہ سسک اٹھی۔

☆☆☆

شدید بے چینی نے اس کا احاطہ کر رکھا تھا بے اختیار
 سامنے رکھی منرل ڈاٹر کی بوتل منہ سے لگالی۔ سینے کو مسلا
 پھر اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ بے چینی مسلسل تھی۔ گھر
 فون کیا۔

”امی آپ ٹھیک ہیں نا؟“

”ہاں بیٹا۔۔۔۔۔ کیا ہوا؟“

”ابو۔۔۔۔۔ ابو کہاں ہیں؟“

”باہر گئے ہیں۔“ امی نے جواب دیا۔

”اوکے۔“ عباد نے فون رکھ دیا۔ ایک بار پھر

پلٹ کر بوتل اٹھا کر پانی پیا۔ ایک چھن ایک کک، بے
 چینی کو کرید رہی تھی۔

”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔“ ذہن میں آنے والے خیال کو

جھٹکا۔

”اس سے مجھے کیا لینا اب۔“ سر جھٹکا۔ اس کے

اندر کوئی سراٹھانے لگا۔

”راستے بدل لو گے۔۔۔۔۔ ہاں“

”راستہ بدل سکتے ہو۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ہاں!“

”محبت سے منکر۔۔۔۔۔“

”محبت۔۔۔۔۔!“ وہ کرسی پر گر گیا۔ ”محبت اب رہی

ہی کہاں تھی۔“ عباد رنجور ہوا۔ ”محبت تو کب کی رخت
سبز باندھ چکی ہے۔“ رنجیدگی کی زرد ہوا اس کے وجود
کو چھونے لگی۔ دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو
ڈھانپ لیا۔ ”کیا محبت بھی راہ فرار اختیار کر سکتی ہے؟“
بے چینی دلی تابی اس کے اندر ہلکورے لینے لگی۔

☆☆☆

پچھلے ہونے والے ایک نے اسے بے حد کمزور
کر دیا تھا۔ چہرے کے سپید رنگ میں زردیاں گھل گئی
تھیں۔ اسی کی ساری مصروفیات ختم ہو گئیں۔ صرف گھر
کی ہو کر رہ گئی۔ ملکہ سوات گئی ہوئی تھی۔ غزل اور نگار
بھائی کی شادی کی وجہ سے مصروف تھیں مگر اس کے ساتھ
جو ہوا وہ اچھا نہیں تھا۔ اس کی بیماری کے دنوں میں
صرف فون آئے۔

آئی سارہ جنہیں شایان آئی کہتی تھی جو اس کی ماں
کے انتقال کے بعد سے اس کے ساتھ تھیں، ادائل بچپن
سے انہیں اپنے ساتھ دیکھ رہی تھی، پپا نے انہیں ہمیشہ
کے لیے گھر میں رکھ لیا تھا۔

خود پپا بزنس کے سلسلے میں ملک ملک گھومتے رہتے
تھے۔ انہوں نے دوسری شادی کی تھی مگر دوسری بیوی
لندن میں ہی رہتی تھیں ان سے بچے بھی تھے۔ ان سے
تعلق صرف ضروریات زندگی تک ہی محدود ہو کر رہ گیا
تھا۔

”ہاں شینی کتنے پیسے چاہیے بیٹا؟“
”کہاں جانا ہے.....؟“

محبت جو باب کا خاصہ ہوتی ہے اس سے وہ محروم
رہی۔ ماں کی دو بہنیں تھیں، دونوں ہی امریکا میں ہوتی
تھیں۔ فیروزہ نے اپنے بیٹے کے لیے اس کا رشتہ مانگا
تھا مگر اسرار ملک نے انکار کر دیا۔ وہ کبھی کبھی کے تعلق
سے بھی گئی۔ دوھیال کے رشتے داروں میں صرف ایک
پھوپھی تھیں۔ اسرار ملک نے ان کے بیٹے کو اپنی فرم میں
جواب دی، مراعات دیں مگر رشتہ انہیں بھی نہیں دیا۔

باپ کی محبت اور عدم توجہی کا شکار شایان ملک خود
مائی کے شوق میں مبتلا تھی اس لیے وہ ہر اچھے اور برے
سل سے گزر جاتی تھی، اس کی تربیت میں جھول تھا۔

اس کی سرپرستی کسی بردبار، سمجھدار رشتے نے نہیں کی۔
سارہ آئی تھیں جو گھر کے ساتھ اس کے کھانے پینے،
پہننے، اوڑھنے کا خیال رکھتی تھیں۔ ماں کی باریک نگاہ
سے وہ بھی اسے نہ دیکھ سکیں لہذا ماڈرن ازم کا شکار
شایان ملک کی شخصیت اس بہتے پانی ایسی تھی جو آڑے
ترچھے راستوں سے گزرتا خود ہی جگہ بنانا چلا جاتا ہے۔
ڈش، کیبل اور فون نے سونے پر سہاگا کیا تھا اس کی
اخلاقیات کو بگاڑنے میں ایک وجہ اس کے دوست بھی
تھے جو مار آستین بنے اسی کی طرح رنگین مزاج تھے۔

عباد الرحمن کو اس سے محبت اس کی بے تحاشا
خوبصورتی، بے ساختگی کی وجہ سے ہوئی۔ پہلی نگاہ نے
ہی اس کے ہوش و حواس گم کر دیے تھے اور اس نے اپنی
ماں کی ناپسندیدگی، بھابیوں کی ناراضی اور ابو کی عدم
دلچسپی کے باوجود اس سے شادی کی۔ اس کی چند ماہ کی
محبت جیت گئی۔ عباد اسے اپنے نام کی مالا پہنا کر گھر لے
آیا۔ وہ جو کہتے ہیں نادور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں
ان کی موسیقی، ردھم اور سردور سے ہی اچھے لگتے ہیں،
قریب آ کر سر بکھیریں تو کان پھٹنے لگتے ہیں۔

شایان کی شخصیت میں بے تحاشا الجھنیں تھیں اس
کی شخصیت کی تعمیر خام مال ایسی تھی۔ ایک گھریلو لڑکی
ایسی تربیت اس کی نہیں تھی۔ بے انتہا نازک مزاج،
گھریلو امور سے ناواقف، ضابطوں اور رابطوں سے
بے پروا، من موجدی اور اپنی مرضی کرنے والی۔ اس کے
گھر کا ماحول ایسا ہی تھا۔ ہل کر پانی نہیں پیا تھا۔ جی
حضور کی کرنے والے ملازم، شاہ خرچیاں، پکنک
پارٹیاں، دوستیاں شخصیت کے وصف تو باہمی ربط اور
قربت سے کھلتے ہیں۔ عباد الرحمن کے گھر کا ماحول بالکل
مختلف تھا آپس کے رشتوں میں بے ساختگی، محبت،
یگانگت، ہمدردی، رکھ رکھاؤ اور خیال دہیان رکھنے کی
کیفیت، عباد کی والدہ زبیدہ رحمٰن جہاں دیدہ، سکھڑ،
سلیقہ مند، محبت کرنی والی، امن پسند تھیں اور اپنی بہوؤں
کا انتخاب انہوں نے بہت دیکھ بھال کر کیا تھا۔ ان کے
گھر کی فضا محبت کی خوشبوؤں سے مہکتی تھی اور باہمی ربط
سے گندھی ہوئی تھی۔

بڑی بہور عتقان کی دہرے دوست کی بیٹی تھی۔ پر مٹی
 لکھی، سوچو بوجھ رکھنے والی، اعلیٰ اخلاقی و اوصاف کی
 مالک رحمتاویس ان کی تمام تر توقعات پر پوری اتریں۔
 راحہ اور ندا خاندان کی تھیں ان کے گھر کے ماحول میں
 رنج بس نکلیں۔ اختلاقات کی گنجائش ہی نہیں نکلی۔
 اختلاف رائے کو باہمی دلچسپی سے سنا جاتا۔ دلوں میں
 باہمی محبت اور یکاگرت نہ ہو یا حقوق و فرائض میں کہیں کسی
 ہو تو دلی عناد اور تباہی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ فطری
 امر ہے اور زبیدہ رمن انصاف پسند خاتون تھیں۔ انہوں
 نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی تو انہیں حق
 بھی بہت اچھا ملا۔ تیز دار، بااخلاق اور فرمانبردار
 بہوئیں۔ بلاشبہ انہوں نے اپنی بہوئوں کو بھی بہو سمجھا ہی
 نہیں، تینوں نے ان کی بیٹی کی جگہ کی بھی اور بیٹی بن کر
 دکھایا۔ پورے خاندان میں ان کے گھر کی مثال دی جاتی
 تھی۔ عباد کے لیے انہوں نے دیکھ بھال کر لڑکی دیکھی
 تھیں ان کا ارادہ چھوٹی منہ کی مدحت کو لانے کا تھا۔
 رعنائے اپنی بہن قاریہ اور... سحر کے مطابق سوچ رکھا
 تھا۔ بولا کی اس گھر میں آئی راج کرتی مگر عباد نے سب
 کی خوشیوں پر پانی پھیر دیا۔ شایان کا عشق سرچڑھ کر بولا
 تھا۔

زبیدہ رمن کو پہلی نگاہ میں شایان اچھی نہیں لگی۔
 بے باک، ماڈرن اور آزاد خیال۔ انہوں نے انکار کیا
 تھا اور عباد نے شایان کے لیے ماں سے ڈاک لڑایا، عشق
 کا سورج سرچڑھے تو ایسے ہی خوار اور رسوا کر داتا ہے۔
 وحید الرحمن کا دوش بیٹے کی طرف تھا اس رشتے کو قسمت
 سے ہوتا تھا یہ رشتہ ہو کر رہا۔ دلوں میں نا پسندیدگی کے
 باوجود سب نے اس گھر کی آخری شادی میں بڑھ چڑھ
 کر حصہ لیا۔ سب سے زیادہ دکھ رعنائاویس کو تھا۔ ان کی
 توقعات وابستہ تھیں۔ امید ہی نہیں تھی کہ عباد رمن مرضی
 کر سکتا ہے۔ قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔ شایان
 ایک مختلف المزاج لڑکی تھی۔ سرال والوں کی ناز
 برداریاں، عباد کی محبت اور سب کی توجہ نے شایان کے
 غرور کو اور سرچڑھ ہادیا۔

اپنی مرضی سے بچنے والے لوگ کم ہی ہم ربط ہوتے

ہیں۔ وہ سب کو اپنی مرضی پر چلانا چاہتے ہیں اور رشتوں
 میں دراڑیں اسی لیے پڑتی ہیں۔ خیال و دھیان کی
 کیفیت اور باہمی رضا و رغبت گھر کی فضا کو ہموار اور
 پرسکون رکھتی ہے۔ جبکہ شایان، تمام اخلاقی اوصاف،
 رکھ رکھاؤ، خیال و دھیان، سلیقہ اور محبت و یکاگرت کو
 برقرار رکھنے والے تمام اوصاف سے بے بہرہ تھی۔
 زبیدہ بیگم کا تھا اس وقت ششکا جب پوتے کے قہقہے کے
 وقت بھری مغل میں شایان نے ندا بھائی کا مزاق اڑایا
 اور ان پر ہوت کی۔ ان کی بڑی نندا آیا جان کے چھوٹے
 بیٹے علی اور دیور کے بیٹے جمال کے ساتھ اس نے ان
 کے لطیفوں پر بلند قہقہے لگائے۔ ان کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر
 ہنسنے ہوئے وہ بہت انجوائے کر رہی تھی اور زبیدہ بیگم
 ہکا بکا، ان کا ماحول یہ کب تھا۔ ان کی تینوں بہوئیں
 اخلاقی کے دائرے میں رہ کر رشتوں کے دیوروں سے
 بات کرتی تھیں کجا بلند قہقہے، عدا کے ساتھ ان کا بھی دل
 برا ہو گیا تھا مگر انہوں نے صبر کا گھونٹ پیا۔ گھر کی فضا کو
 کسی رنجش کا شکار نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ شائستگی تو ان کا
 وصف تھا اور پھر آئندہ آنے والے دلوں میں نوٹ کیا۔
 شایان نہایت اکھڑ مزاج، بد مزاج، من مو جی، گھریلو
 امور سے عدم دلچسپی رکھنے والی ایک خود پرست اور خود
 پسند لڑکی تھی۔ تمام تر اخلاقی امور سے بے بہرہ وہ انتہائی
 دولی، جھوٹی، کینہ پرور اور حاسد تھی۔ غرور و تکبر رکھنے
 والی بد زبان، جھگڑا لوار اور نفیبت کرنے والی، عاقبت
 نا اندیش لڑکی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ خود کو سب سے برتر
 اور بہتر سمجھتی تھی۔ چھوٹی عمر میں سب کچھ دیکھ لیا تھا، غرور
 غرور لازمی تھا مگر زبیدہ بیگم اس معاملے میں کسی کو خاطر
 میں لانے والی نہیں تھیں۔ انہوں نے عباد کو بلا کر صاف
 کہہ دیا۔

”عباد اپنی پسند کو تم لے تو آئے ہو اب تم اسے اس
 گھر کا معیار بناؤ۔ اس گھر کے طور طریقے اور رسم و
 رواج سکھاؤ۔ اس کا اثر دوسروں پر پڑنے سے پہلے
 اسے آگئی دو، گھر کے ماحول سے تم واقف ہو۔“

”امی.....“ عباد انہیں دیکھتا رہ گیا۔ ”اگر میں نے
 اپنی پسند سے شادی کی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ

درمیان رہی ہوں مجھ سے کام دام کی توقع مت کریں۔“ شایان نے صفا جٹ جواب دے کر اسے ششدر کر دیا۔ ”اور نہ ہی مجھے کام شام آتے ہیں۔“ اٹھ کر اس نے تمام میگزین سائینڈ نیبل پر بیٹھے۔ ”نو کروں کی فوج موج کرنے کے لیے ہے کیا، جس بات کی تنخواہ لیتے ہیں۔“

”نو کروں سے بھی کام کروایا جاتا ہے کھڑے ہو کر۔ گھر ہے یہ تمہارا سمجھیں تم... عباد اپنے اشتغال کو ممکنہ حد تک کنٹرول میں رکھ رہا تھا۔“ اور بھابیوں سے تمہارا رویہ...؟“

”ادہ تو ساری شکایتیں آج ہی لگا دیں امی حضور نے؟“ شایان نے نظریہ نگاہ اس پر ڈالی۔ ”بہت اچھی ہیں وہ۔“ عباد نے گھورا۔

”جب میں کسی کی پسند نہیں تو میں اچھی کیوں بنوں۔ سسرال والوں کو زیادہ منہ لگا لو تو منہ کو آتے ہیں میں دور دور ہی بھلی۔“ شایان نے بدتمیزی سے کہا عباد اسے دیکھتا رہ گیا۔ ”آپ کی والدہ محترمہ انتہائی بے انصاف اور خود غرض خاتون ہیں۔“

”شیخی، مت بھولو کہ وہ میری ماں ہیں۔“ عباد نے مشتعل ہو کر اسے دیکھا۔ ”ہاں!“ شایان نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ ”میں نہیں بھول سکتی کہ وہ آپ کی والدہ محترمہ ہیں جنہیں میں پسند نہیں اور جو میرے خلاف محاذ بنائے بیٹھی ہیں۔ اپنا غصہ انہوں نے اسی طرح سے تو نکالا ہے۔ اور رہی آپ کی بھابھیاں، انہیں ہنسنے اور مذاق اڑانے کے سوا کچھ آتا ہے کیا، ہونہہ خاندانی بہویں۔“

”تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ شیخی خود کو اس گھر اس ماحول میں ڈھالنے کی کوشش کر دو اور یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“

”عباد میں جیسی تھی بس ویسی ہی رہوں گی۔ آپ کو اپنی والدہ کے کہنے پر مجھ میں کیڑے نظر آ رہے ہیں۔“

اس نے بدتمیزی سے رسالہ اچھال دیا۔ عباد حیران تھا یہ وہ شایان تو نہیں جو شائستہ مزاج کی خوبصورت لڑکی تھی اس کا پیر بن ایک دم سے کیسے تبدیل ہو گیا۔ شاید وہ بھی

”ہوں“

”مجھے آئے دو گھنٹے ہو چکے ہیں، تمہیں خبر ہے۔“

”اچھا“ حیرت سے اسے دیکھا۔ ”میں ذرا مصروف تھی۔“

”ایسی کون سی مصروفیت ہے تمہاری جو تمہیں میری آمد سے بے خبر رکھتی ہے؟“

”یہ آج آپ کو کیا ہوا ہے، کیسی باتیں کر رہے ہیں؟“ شایان نے اچنبھے کے سے انداز میں دیکھا۔

”تم گھر والوں کے درمیان کیوں نہیں بیٹھتی ہو۔ ان کے ساتھ رہا کرو، کام دام کیا کرو، دن اچھی طرح سے گزر جاتا ہے۔ اس نے غصے کو دبا کر سرسری سے لہجے میں کہا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ ”ایسی بھی تمہاری شکایت کر رہی تھیں۔“

”کیسی شکایت...؟“ شایان چوکی

”شایان تم بچی نہیں ہو، سمجھدار ہو اور اس گھر کے طور طریقوں سے واقف ہو، تمہیں گھریلو امور کی انجام دہی میں بھابیوں کا ساتھ دینا چاہیے، ان کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ ان کے پاس بیٹھا کرو، تم الگ تھلگ ہو کر کیوں بیٹھتی ہو۔“ اس نے حتی الوسع اپنے لہجے کو تحمل کے دائرے میں رکھا۔

”یعنی آج میرے خلاف خوب کان بھرے گئے ہیں۔“ شایان نے تروخ کر کہا۔

”تمہارے خلاف کسی نے کان نہیں بھرے، وہ ٹھیک کہتی ہیں تمہیں اب اس گھر کے رسم و رواج، ماحول اور طور طریقوں میں ڈھل جانا چاہیے۔ تم اس گھر کی آخری بہو ہو اور تمہیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ تم میری بند ہو۔ امی کو بمشکل تمہارے لیے راضی کیا تھا اور تمہیں ان کی امیدوں پر پورا اترنا چاہیے۔“ عباد نے سنجیدگی سے کہا۔

”یعنی...!“ غصے سے اس کا چہرہ انگارہ ہونے لگے ہوئے انداز میں عباد کو دیکھا۔ ”میں نوکرانی، ام زادی، ماسی بن جاؤں، گھر کے کاموں میں خود کو الملوں تو یہ آپ کی بھول ہے عباد صاحب، میں نے گھر میں بھی کبھی اہل کر پانی نہیں پیا، نوکروں کے

ہوں۔“ وہ زور سے چیخی۔

”آہستہ بات کرو بد زبان لڑکی.....!“

”اب میری زبان نہیں رکے گی، میں بد زبان ہوں تو ہوں۔ یہ ماحول ہے آپ کے خاندان کا۔ وہ ناکلہ صاحبہ روز آفاق صاحب کے ساتھ بہن سے ملنے آ جاتی ہیں۔ لڑکوں کو پھنساتی ہیں یونیورسٹی جا کر دیکھیں کبھی۔ اس گھر کا ماحول بے باک نہیں۔ اس گھر کی عورتیں، اپنے کزنز، اپنے رشتے داروں سے نہیں ملتیں کیا۔ آج آپ کو میرے اندر خامیاں نظر آ رہی ہیں۔“ وہ کھول گئی۔

”جو میری شکایت ہے، اس گھر کو تم سے ہے اے دور کرو۔ اور آرام سے رہو..... یہاں ورنہ.....!“

”ورنہ.....!“ شایان اسی انداز میں مخاطب تھی۔

”ورنہ نتائج کے ذمے دار آپ خود ہوں گے۔“

”میں.....!“ اس سینہ زوری پر عباد حیران ہوا۔

”میں کوئی کمزور نہیں ہوں میرے پاپا.....“ شایان بولی۔

”کاش تمہاری ماما بھی ہوتیں۔“ عباد نے سر جھٹک کر اسے دیکھا اور باہر نکل گیا۔

”ہونہ! میں بری ہوں تو برا بن کر دکھاؤں گی۔“

شایان نے زور سے پاؤں پٹخا اور فون کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

”تمہیں کیا ضرورت تھی جمال سے اتنا فری ہونے کی۔“ دو دن بعد پھر سے بیچ و تاب کھا کر کھولتا ہوا عباد اس کے سر پر کھڑا تھا۔

”وہ آپ کے گھر کا حصہ، خاندان کا فرد ہے۔ سب کے ساتھ اگر میں نے اس سے گفتگو کر لی تو کیا ہوا۔ آپ بھی تو ادھر ہی تھے۔“

”شایان!“ عباد نے لب بھینچ کر اسے گھورا۔ ”اتنی آزادی۔ بے باکی مجھے پسند نہیں۔ گفتگو کے کچھ آداب اور لحاظ ہوتے ہیں۔ تم کوئی بچی نہیں ہو۔ ہاتھ پر ہاتھ مار کر گفتگو کرنا۔ قہقہے لگانا، راز و نیاز..... یہ کیا طریقہ ہے، تمہیں کون کون سی بات سمجھانی پڑے گی۔“ عباد زچ

ان تک پہنچ ہی نہیں پاتا جنہوں نے اس کا پیرہن بدلنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ گزرتے وقت نے بہت سارے راز اس پر آشکار کیے تھے۔

☆☆☆

”تم..... تم..... نوادے ملتی ہو کلب میں؟“ عباد شاک کی سی کیفیت میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

”میرا دوست ہے عباد، کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ کیا میں پرانے دوستوں کو چھوڑ دوں۔ پرانے رشتے ختم کر دوں؟“

”وہ انتہائی ادب باش، فلرٹ، شرابی اور تم۔ اس کے ساتھ ڈرائیونگ پر گئی تھیں۔“ عباد سخت غصے میں تھا۔

”تو نگاہ میرے ساتھ تھی، اس کا کزن ہے وہ۔“

شایان بے لنگری سے بولی۔

”بھائو میں گئی نگاہ، تم آئندہ اس سے نہیں ملو گی، سمجھیں تم؟“

”نہیں۔“ شایان نے اس کے غصیلے اندز پر چیخ کر کہا۔ ”میں نہیں سمجھوں گی، آپ اتنے بیک ورڈ کب سے ہو گئے۔ میں ایسی ہی تھی اور ایسی ہی رہوں گی۔“

”تم اس طرح سے رہو گی جیسا میں چاہوں گا۔ میرے گھر میں یہ آزادی اور بے راہ روی نہیں چلے گی خود کو بدلو اور آئندہ تم کلب نہیں جاؤ گی۔“

”آپ مجھے نہیں روک سکتے، میری یہی ایلکٹرونیز ہیں۔“

”تمہیں اس گھر میں دل لگانا چاہیے شایان۔“

عباد نے تاسف، دکھ، ملال بھری نگاہ اپنی نظر انتخاب پر ڈالی۔ واقعی وہ محبت میں دھوکا کھا گیا تھا۔ چاند چہرہ، ستارہ آنکھیں اسے تارے دکھا رہی تھیں۔

”اگر آپ کو گھریلو عورت کی ضرورت تھی تو کیوں مجھے قید کیا۔ آپ کو اندازہ نہیں تھا کہ میں کیا ہوں۔“

”تم جو کچھ بھی تمہیں پہلے تھیں۔ اب تم کیا ہو، کس ماحول میں رہتی ہو، اس ماحول کی کیا احتیاجات ہیں تمہیں اس بارے میں سوچنا چاہیے۔ اگر یہاں رہنا چاہتی ہو تو۔“

”مجھے دھمکی دے رہے ہیں آپ، میں بری لڑکی

رہی ہے۔ اس کا لہجہ اس کا انداز، جواب دہی کا طریقہ۔
 ایک بیک وہ چونک گیا۔ ”یہ کیا چھکارہ چاہتی ہے۔ ان
 کے درمیان محبت نہیں رہی اور کیا.....“ اس کا دل کی
 نے منہ میں لے لیا۔

”ایسا ہو سکتا ہے؟“ عباد یکدم بے چین ہوا اور
 باہر نکل گیا۔ ”اگر ایسا ہو گیا تو..... تو کیا ہوگا۔ جب
 ہنسائی، دانستہ رسوائی، بے عزتی، خاندان میں اس کا...
 انتخاب موضوعِ سخن بنے گا۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔“ ایک
 نئی فکر فکرمیں ڈوب کر اس کے ہمراہ تھی۔ ”نہیں، ایسا
 نہیں ہوگا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ میں اسے اب پیار
 سے سمجھاؤں گا۔ وہ کیا چاہتی ہے۔ کیوں اپنی زندگی کو
 گریبن لگا رہی ہے۔ کیوں محبت کو دل سے رخصت کرنا
 چاہتی ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو۔ تو محبت پر اس کا ایمان
 اٹھ جائے گا۔ محبت ابھی سلامت ہے اگر حالات یہی
 رہے تو محبت کو زندہ لگانے سے کون روک سکتا ہے۔“ آج
 کل وہ بہت سنجیدہ ہو رہا تھا۔

اپنے گھر کا ماحول اسے بے حد پسند تھا۔ محبت کی
 خوشبو اور چاہت کی فضا درود یوار پر چھائی ہوئی تھی، عشق
 پیچاں کے پھول پتے ہر سو بکھرے ہوئے تھے۔ خیال و
 دھیان رکھنے کی کیفیت ایک دوسرے کا احساس، ایک کی
 پریشانی پورے گھر کی پریشانی، کوئی گھریلو جھگڑا، گھریلو
 سیاست، ساس بھو کی چیخ بچا ایک دوسرے کی کاٹ اور
 پیٹھ پیچھے تفرقے تیر رہتے اس نے بھی نہیں دیکھے تھے نہ
 ہی اس نے بھی گھر میں کام کے سلسلے میں چیخ و پکار
 دیکھی۔ ہمیشہ گھر میں ہر امن مسکراہٹ دیکھی۔ امی کی
 شگفتہ ہنسی اور بھابیوں کی فرمانبرداری۔ اب وہ... یہی
 چاہتا تھا کہ اس کی بیوی اس ماحول کا حصہ بن جائے۔
 بھابیوں کے ساتھ مل جل کر فضا کو مستحکم کرے۔ امی کی ہر
 دلعزیز بھابی بن جائے امی کو ”اس“ کے نظریہ انتخاب پر فخر
 ہونے لگے۔

وہ جوانی کو ناراض کر کے اس کو بیاہ لایا تھا۔ باخدا
 اندر ہی اندر رخصت و خجالت کا شکار تھا اور دل سے چاہتا تھا
 کہ اس کی بیوی اس خلش کو ختم کرے۔ مگر وہ دل کی
 خلش ہی نہیں بلکہ ذہنی خلیجان کو بھی بڑھا رہی تھی۔ نہ

ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔
 ”تم جانتی ہو میرا فیصلہ کس طرح قبول کیا گیا، میں
 امی سے پہلے ہی شرمندہ ہوں۔ بجائے اس کے تم اپنی
 دلیلو بڑھاؤ، خدمت سے، شائستگی سے، رویتے سے، تم
 انہیں اور زور و درج کر رہی ہو۔“

”عباد...! وہ ترخ گئی۔“ آپ بہت بدل گئے ہیں
 آپ کو میری ہر بات میں کیڑے نظر آتے ہیں مجھ سے
 یوں بات کرتے ہیں گویا میں بہت بری ہوں اگر میں
 بری ہوں تو کیوں مجھے قید کر رکھا ہے چھوڑ دیں۔“
 ”قید.....!“ عباد ہکا بکا رہ گیا۔ ”تم اس گھر میں
 قید ہو؟“

”ہاں.....!“ شایان بے خوف لہجے میں بولی۔
 ”کواس بند کر دو۔“ عباد کے دل کو کچھ ہوا۔ ”اپنی
 تمام دوستوں سے ملنا بند کر دو، امی کے پاس بیٹھا کر دو
 انہیں ناظم دو۔ بچن میں وقت گزار دو۔ اب تمہاری یہ
 مصروفیات ہونی چاہیں۔“

”میں زر خرید نوکرانی نہیں ہوں، مجھے کام آتے
 ہیں اور نہ میں کروں گی۔“ شایان نے نکسا جواب دے
 کر چادر میں منہ چھپالیا۔ عباد گہرا سانس لے کر رہ گیا۔
 ”یہ لڑکی..... یہ عورت، اس کی بیوی۔ اس کی
 پسند..... اس کی محبت۔“ اس نے دونوں ہاتھوں پر سر
 گرالیا۔ کیا اس کی محبت شایان کے دل سے ختم ہو گئی
 ہے۔ اتنی جلدی..... چند ماہ میں۔

”کیا محبت کے رنگ اتنے کچے ہوتے ہیں۔“ ہاتھ
 چہرے سے اٹھا کر اسے دیکھا۔ ”واقعی یہ لڑکی ماڈرن
 ازم کا شکار ہو کر ترقی یافتہ افراد کی صف میں شامل حقوق
 سے بے پروا ہے۔ اس کی مسلسل نفی کر رہی ہے کیا
 چاہتی ہے یہ۔ امی کو اس سے مسلسل شکایات ہیں۔ بھابی
 بلکہ تینوں بھابیاں اس سے نالاں ہیں۔ گھر والوں کی
 اسے پروا نہیں۔ عباد۔ عباد الرحمن تم نے اس شکل میں کیا
 دیکھا۔ تمہیں، تمہیں صرف شکل سے محبت ہوئی تھی اور
 محبت بھی صرف تمہیں ہوئی تھی۔ اسے.....“ اس کی
 آنکھوں میں دھواں بھرنے لگا۔

”اسے تو تم سے محبت ہے نہ دوستی۔ بس ساتھ رہ

جانے وہ کیوں اتنی ضدی اور باغی ہو رہی تھی۔ کس بات کی تھی۔ محبت، مان، اعتماد سب ہی کچھ اسے حاصل تھا مگر وہ مان و اعتبار کی دھجیاں اڑانے کے درپے تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ گھر کے کسی فرد سے مشورہ لینا اپنی عزت افزائی کروانے کے مترادف تھا۔ دوستوں سے وہ اتنا فری نہیں تھا۔ شایان کے میکے میں اس کی گورنس ہی تھی جو بچپن سے اس کے ساتھ تھی۔ اس سے کیا پوچھنا۔ اس کے والد محترم بزنس ٹور پر ہی رہتے تھے۔ اس کا ذہن الجھ کر رہ گیا تھا۔

روز نیا مسئلہ..... روز نیا انداز۔ امی کی خاموشی اور یکسوئی نظر۔ بھابیوں کے طنز یہ انداز۔
 ”آج تمہاری بیگم نے تم سے اتنی لمبی گفتگو کی، دو گھنٹے..... بھی کمال ہو گیا، کیا تمہیں گھر میں بات کرنے کا موقع نہیں ملتا۔“ بڑی بھابی کی آواز..... اس کا چونکا۔

”مجھ سے.....؟“ بے ساختہ ہی منہ سے نکلا۔
 ”اچھا، تم نہیں تھے تو پھر.....“ کمال مصومیت سے اس پر ٹھوڑا پانی گرا دیا۔

”کمان کچھ کر کر کھو صاحبزادے ایسا نہ ہو کہ۔“ رعنا بھالی سر سے لے کر پاؤں تک اسے دیکھتی باہر نکل گئیں۔ وہ بیٹھا ہوا لاؤنج میں کھڑا تھا۔ اس کا فشارِ خون بڑھ رہا تھا کہ بند بھابی اندر آ گئیں۔

”تم آن گئے۔ امی ابھی تمہارا پوچھ رہی تھیں۔ مل لینا ان سے۔“ اک کاٹ دار نگاہ اس پر ڈالتی باہر نکل گئیں۔ وہ صوفے پر گر گیا۔ ایک اور شرمندگی بلکہ در شرمندگی۔
 ”کیا واقعی شایان ناقص العقل ہے یا پھر کوئی اور بات ہے۔ وہ محبت کی زبان سمجھ رہی تھی اور نہ ہی اسے احساس کی شدت کا اندازہ تھا۔ واقعی محبت خود غرضی کے لبادے میں لپٹ رہی تھی۔ بادباں کے کھلنے کا اشارہ دیکھ رہی تھی یا پھر..... بالوں میں انگلیاں پھنسا کر اک لمحہ کو سوچا۔“ چپکے سے راہ فرار اختیار کر لے۔ مگر کب تک.....؟ تھا کہ ہوا سانس لے کر اٹھا۔

”بی امی.....“ عبادان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ تسبیح کے دانے گرائی ان کی انگلیاں سسٹم گئیں۔

ہیلمس پائیکو

”کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے، اتنا چہرہ اتر ا ہوا کیوں ہے۔ کھانا کھایا تھا دوپہر کو؟“ امی نے فکر سے اس کا ہاتھ تھاما۔ اس کی آنکھ بھرا گئی۔ اتنی غلط، پیاری، زیرک نگاہ سے اندر کا حال جان لینے والی ماں کو کتنا دکھ دیا تھا۔

”جی امی، آپ نے بلایا تھا۔“ جو کہنے کے لیے بلایا تھا انہوں نے وہ اندر ہی پی لیا۔ اپنے بچے کی پریشانی انہیں نظر آرہی تھی۔ مزید پریشان کیا کرتیں۔
 ”مجھے تمہاری بڑی فکر رہتی ہے بیٹا، کھانے پینے کا دھیان رکھا کرو۔“ بالوں میں محبت سے ہاتھ پھیرا۔ ایک گہری طمانیت اس کے وجود میں بکھرتی چلی گئی۔
 ”اتنا زیادہ کام مت کیا کرو۔“

”کام سے ہی تو زندگی ہے امی۔“ ان کا ہاتھ محبت سے تھام لیا۔ ”آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“
 ”بالکل ٹھیک ہے۔“

”آپ نے بلایا کیوں تھا؟“ وہ اندر ہی اندر بے چین تھا۔

”تم صبح مجھ سے ملے بغیر چلے گئے تھے نا؟“ انہوں نے اس کی بے چینی بھانپ لی۔
 ”اوہ“ عباد نے گہرا سانس لیا۔ ”آئی ایم سوری امی دراصل صبح دیر ہو گئی تھی اور میں جلدی میں تھا۔“
 ”ناشتا بھی نہیں کیا تھا حالانکہ ٹیبل پر ندانے تیار کر دیا تھا۔“ وہ اندر تک شرمندہ ہونے لگا۔
 ”سوری امی، آئندہ احتیاط کروں گا۔“

”الارم لگا کر سویا کرو، جلدی سویا کرو۔ دیر تک کام مت کیا کرو۔ صحت ہے تو زندگی ہے، محبت برباد مت کرو۔“ وہ دھیرے دھیرے محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے سمجھا رہی تھیں۔ ان کی گفتگو میں شایان کی شکایات نہیں نہ شکوہ۔ ماں بننے کی خالص محبت کی گفتگو۔ عباد انہیں بے حد عزیز تھا۔ محبت کے منہ زور گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے اپنی زندگی کو گرہن لگایا تھا۔ اس کا اترا ہوا چہرہ بتا رہا تھا ماں کی شکایات اور بیوی کی منہ زوری کو وہ دل پر سہہ رہا تھا۔ اپنی غلطی پر پشیمان تھا بہت دیر تک وہ ان سے باتیں کرتا رہا پھر ابو

جون 2007ء

آگئے۔
 ”ارے تم ادھر ہو۔ وہاں تمہارا فون آیا ہے میں
 سمجھا گھر میں نہیں ہوں۔“
 ”کس کا فون تھا؟“ عباد نے اچنبھے کے انداز میں
 دیکھا۔

”شایان کا آیا کہ گھر سے۔ کہہ رہی ہے کہ جادید
 کی گاڑی خراب ہے، عباد سے کہیں کے مجھے آکر لے
 جائیں یا میں ٹیکسی سے آ جاؤں۔“ وہ چونکا۔ اس کے
 کان ہی نہیں روگئے بھی کھڑے ہو گئے۔
 ”شایان، مریم بچپن کے گھر۔“ چہ معنی دارد..... اسی
 کی جانب نگاہ کی۔ انہوں نے نگاہ چرائی۔
 ”وہ وہاں کیوں گئی ہے؟“ عباد نے دونوں کی
 جانب ایک ساتھ دیکھا۔

”سعید سے اس کی دوستی ہے نا۔ فلک کی شادی کی
 وجہ سے بلوایا تے ہیں۔“ اسی صبح کے دانے گرانے لگیں۔
 ”مجھے معلوم ہی نہیں۔“ بے ساختہ ہی منہ سے نکلا۔
 ”کب گئی تھی؟“ عباد نے بے چینی سے پوچھا۔
 ”صبح سے۔“ اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔
 ”اے اکیلے جانے کیا ضرورت تھی۔ آپ ساتھ
 جاتیں یا کسی بھابی کے ساتھ چلی جاتی۔ آپ..... آپ
 نے.....“

”بیٹا جی، گھوڑا منہ زور ہو تو اسے لگام ڈال لی جاتی
 ہے اور اگر وہ لگام ڈالوانے کے موڈ میں نہ ہو تو پھر کچھ
 عرصے کے لیے اسے دیے ہی چھوڑ دینا چاہیے تاکہ شر
 زوری ختم ہو جائے۔ تمہاری بیگم الگ ہی منچر کی ہے۔
 کچھ خود سر، باغی اور چرب زبان۔“ اس کا سر جھک گیا ابو
 کے ارشادات سن کر۔

”اس کے ساتھ کچھ نفسیاتی پر اہلم ہے میرا خیال
 ہے کہ اسے کسی سائیکالوجسٹ کو دکھاؤ۔ ہر بات کی رٹ
 کرتی ہے گویا ہم سب اس کے دشمن ہیں۔ اس کا مسئلہ کیا
 ہے، کیا چاہتی ہے وہ۔“ رُحمن صاحب نے بغور اسے
 دیکھا۔ ”الگ گھر..... الگ رہائش“ عباد نے جھٹکے سے
 سراٹھایا۔

”ابو آپ لوگوں کو چھوڑنے کا، اس گھر سے جانے

کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جس کو رہنا ہے نہیں رہے جانا
 ہے تو جائے۔“ وہ جھٹکے سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ زہیدہ
 بیگم تاسف، ملال، دکھ اور رنجیدگی سے اسے جاتا دیکھتی
 رہیں۔
 ”کتنا کمزور اور رنجیدہ ہو گیا۔“

”محبت کا بخار جب اپنا زور توڑ دیتا ہے تو بوجی
 انسان ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ بچوں کو ان کی نافرمانی کی سزا
 ضرور ملنی چاہیے ایسے ہی عقل سکھتے ہیں۔“ رُحمن صاحب
 نے اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کرتے ہوئے متانت سے کہا۔
 ”آپ نے اسے بد دعا دی ہے۔“ زہیدہ رُحمن
 نے دہل کر انہیں دیکھا۔

”نہیں، دل تو دکھایا تھا نا؟“ دھیرے سے آنکھیں
 بند کر کے انگلیوں کی پوروں سے انہیں دبایا۔ رنجیدگی
 کے بادل اپنے پر پھیلا رہے تھے۔

”ایسی خوشی کا کیا فائدہ جو بیٹے کے لیے دکھ بن
 گئی۔ کتنا سنجیدہ ہو گیا ہے وہ۔ زندگی کا ساتھی اگر
 حساس، زورورنج اور کچھ بوجھ والا نہ ہو تو زندگی ایک
 منجھدار میں رک جاتی ہے۔ اکیلا آدھی کب تک اکیلے
 چل سکتا ہے۔“

”مجھے تو وہ بہت غلط سمجھتی ہے۔ لیے دیے والا
 انداز ہوتا ہے۔ کوئی جھٹائی اسے منہ لگاتی ہے اور نہ کسی
 کا دم بھرتی ہے۔ جانے کس نیچر کی ہے۔“ ان کے لہجے
 میں دکھ تھا۔

”اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، چک چک گھر کا
 ماحول خراب کرے گی اور دوسری بہوؤں پر بھی غلط اثر
 پڑے گا۔“ رُحمن صاحب نے انہیں دیکھا جو بیٹے کی محبت
 میں اس کی نافرمانی کے باوجود بہت رنجور ہو رہی تھیں۔
 ”اسلام آباد چلیں بھائی جان کے پاس۔“ ان کی
 دلجوئی کے احساس سے کہا۔

”یہاں کے مسئلے.....“
 ”یہاں کوئی مسئلہ نہیں ہے جو ہے وہ خود ہی حل
 کر لیں گے تم پریشان مت ہوا کرو۔ جانتی ہو کہ تمہاری
 پریشانی مجھے کتنا ہرٹ کرتی ہے۔“ ہاتھ پھیلا کر محبت
 سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ گہری عین سوچ میں گم وہ

دھیرے دھیرے تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں۔

☆☆☆

”تم..... تم مجھے آفس فون کر سکتی تھیں، مجھے افکارم کر سکتی تھیں مگر تمہیں کیا۔ تمہیں میری پروا ہی کب ہے جو دل چاہتا ہے کرتی ہو اور تمہیں اکیلے پھپھو کے گھر آنے کی کیا ضرورت تھی۔“ عبادت مشتعل تھا۔ پھپھو کے گھر سے فوراً اسے لے کر نکلا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی گیس کے غبارے کے مانند پھٹ پڑا۔

”ندا بھابی، راحہ بھابی کو ساتھ لے لیتیں مگر تم۔“
”عباد اگر آپ کو مجھے لانے کے لیے کوئی اہم کام چھوڑ کر آنا پڑا تو نہ آتے میں بھی بھول جاتی ہوں کہ آپ مجھے اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتے۔“ جھانپڑ رسید کرنے والے انداز میں سر گھما کر اسے دیکھا۔ الٹی کھوپڑی۔ ”سعیہ میری بہت اچھی دوست بن گئی ہے اس کی بہن کی شادی ہے وہ خود لینے آئی تھی۔ پھر وہاں ایٹلا آئی بھی آئی تھیں۔“ وضاحت کی۔

”تم..... تم!“ عباد نے کھا جانے والے انداز میں دیکھا۔

پھپھو کے بڑے داماد سے وہ ابھی مل کر آ رہا تھا۔ میلی گندی آنکھیں باریک بینی سے منصف مخالف کی جانب اٹھتی تھیں۔ اسے قطعی پسند نہ تھا جمال کا فریک ہوتا۔ یہ..... یہ لڑکی کیوں نہیں سمجھتی۔

”شایان خود کو بدلو، میری خاطر، اس گھر کی خاطر۔ شادی سے پہلے جو تھا وہ تھا، اب تم ایک ذمہ دار عورت بن جاؤ۔ گھر داری سنبھالتی۔ اس بات کی پروا کرتی کہ تمہارے شوہر نے ناشتا کیا، اسے کس وقت کیا چاہیے۔“ وہ لب بھینچ کر لفظ چپا کر بول رہا تھا۔ ”آئندہ جانا ہے تو امی کے ساتھ جانا۔“ اس کا بے نیاز رویہ عباد کو سلگا رہا تھا۔ کس قدر خود غرض ہے یہ لڑکی اسے میرے غصے کی پروا ہے نہ سلگنے کی۔ جھکے سے گاڑی گھر کے گیرج میں کھڑی کی اور وہ شان سے اتر کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ عباد نے بخیریدگی، تاسف اور ملال سے اس بے نیازی کی مثال اوڑھے ”سوداٹ“ کا سلوگن گنگناتے ہوئے شایان کو اندر جاتے دیکھا اور شدت بیچارگی سے

اسٹیزنگ پر سر ٹیک دیا۔

کیا اس نے غلط فیصلہ کیا ہے۔ امی کی بددعا میں ہیں یا بہنوں کی ناپسندیدگی۔ شایان پر کسی زبان کا نہیں ہوتا۔ کیا وہ اس سے محبت نہیں کرتی۔ محبت رنگیلے بادل شبہ کی صورت اس پر برسے لگے۔

☆☆☆

جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ اس کی شکایت بوجھ جاری رہی تھی، اس کا جانا پھپھو کے گھر بڑھ گیا تھا۔ عباد کی سستی ہی نہیں تھی۔ اس کی شخصیت کے شجر کو تربیت کا پانی نہیں ملا تھا۔ کبھی کسی نے روک ٹوک کی ہی نہیں تھی۔ اچھے برا سمجھایا ہی نہیں تھا اور تھا ہی کون سمجھانے والا۔ گھر پر زندگی کے اسرار و رموز کو وہ کیسے جان پاتی اور وہ جان سکتی بھی نہیں تھی۔ اس کی دوستوں نے اسے جانے ہی نہیں دیا۔ اسی طرح کی سر پھری، بددماغ اور آزاد خیال۔ اس کے کان بھرتیں۔

”سنو، ساس کو منہ مت لگانا اور جھٹانی سے تمہیں کیا لہنا دینا، میاں کو ٹٹھی میں رکھو بس۔“

”اور کوشش کر کے ایسا ماحول بنا لو کہ ساس تمہیں الگ ہی کر دیں اگر نہیں تو تم زبردستی ہو جاؤ۔“

”اپنی مرضی کرنا، من پسند زندگی گزارنا۔ اگلے راج کرنا، شوہر کی کمائی کھانے کا الگ ہی مزہ ہے۔“

”تمہیں کیا پڑی ہے خدمت گزاریاں کر دو۔“

آنکھیں بند کر کے وہ اپنی چیمٹی دوستوں کے کپے پر چل رہی تھی۔ اپنی عقل اس نے ان کے پاس ہی رہنا رکھوا دی تھی۔ تو سمجھ بوجھ کیوں قیام کرتی اس نے ہونے میں دیر نہیں لگائی۔ عقل سمجھ سے خالی وجود بھر بھری مٹی ایسا ہوتا ہے۔ ذرا سی ٹھیس لگی اور بھر بھری مٹی کی طرح زمیں بوس۔ اس نے حالات کو بہت خراب کر دیا تھا ساس کی خاموشی پر حیرت ہوتی تھی۔

”تمہاری ساس تو مجھے ساس لگتی ہی نہیں ہیں۔“

ساسوں سے بھلا بہوؤں کی زبان، میزبانی نگاہ برداشت ہوتی ہے کیا۔“

”نہیں، واقعی بہت اچھی ہیں کبھی مجھے انوس ہوتا ہے میں زیادتی کر رہی ہوں۔“

جون 2007

میوزک سن رہی تھی۔ عباد کی آواز پر ہڑبڑا گئی۔
”کیا ہوا؟“

”بھابی... دروازے پر ٹین کھڑی تھی۔ بیگہ ہوا
چہرہ، سوچی ہوئی آنکھیں۔ وہ سیدھی ہوئی، ٹین اس کی
ممانی ساس کی بیٹی تھی۔“

”میں نے کب کہا تھا کہ میں حسام کو پسند نہیں
کرتی، میری منگنی زبردستی ہوئی ہے اور یہ کہ مجھے تو کہیں
اور کرنا تھی، بتائیے۔“ وہ اس کے سامنے رکی۔

”تم نے تو کہا تھا فلک کے سامنے۔ مریم بھوکے
گھر۔“ شایان نے کمال معصومیت سے آنکھیں پٹ
پنائیں۔ ”جب میں نے پوچھا تھا کہ حسام تمہیں کیسا لگا
ہے۔ تو تم نے نہیں کہا تھا میری تو مرضی نہیں تھی گھر والوں
کا فیصلہ تھا تو پھر مجھے ہاں تو کرنا ہی پڑے گا۔“

”تو گھر والوں کا ہی فیصلہ ہے، پوچھ لیں آپ کی
بات سن کر وہ لوگ منگنی توڑ رہے ہیں۔“

”ہا...!“ شایان نے منہ پر ہاتھ رکھ کر کمال
معصومیت سے آنکھیں پھیلائیں۔ ”مگر میں نے
تو...“

”شایان تمہیں کیا ضرورت تھی جھوٹ بولنے کی۔“
عباد کھانے والے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

”عباد، یہ سچ ہے اب ٹین جھوٹ بول رہی ہے تو
میں کیا کروں۔“

”نہیں... نہیں... بھابی... نہیں۔“ وہ پھوٹ
پھوٹ کر رو رہی تھی اور شایان کی مکاری کو اس پر رحم نہیں
آ رہا تھا۔ وہ باہر نکل گئی عباد سے گھورتا ہوا چپچپے نکل گیا۔

پھر شایان کو اس کھیل میں مزہ آنے لگا۔ ٹین اور حسام
آپس میں کزن تھے۔ ان کی منگنی ٹوٹنے کی آخری اسٹیج پر
تھی کہ اچانک ہی دونوں کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی
ساری بساط ہی الٹ گئی۔ سب کا رویہ اچانک ہی اس
سے اکھڑا اکھڑا ہو گیا۔ عباد کی خواہش تھی کہ اس کی بیگم
بھی گھر والوں کے ساتھ مل کر رہے جوانی کی طرح اس
کے سینے میں چھ کر رہ گئی۔ شایان کا رویہ، سلوک، لہجہ
یکسر دیکدم بدل گیا تھا اور امی بس چپ چاپ دیکھ اور
نوٹ کر رہی تھیں۔ انہوں نے نہ بولنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

”اے... اے...“ ملکہ نے اس کے سامنے ہاتھ
لہرایا۔ ”یہ تمہاری ساس کی مکاری ہے خاموشی کا چال
ڈال کر تمہیں قید کر لیں گی تاکہ ساری عمر تم سے غلامی
کروائیں۔ خبردار، جو تم ان کے چال میں پکسیں عباد کو
اتنا مجبور کر دو کہ وہ تمہیں الگ گھر میں رکھے۔“ ملکہ نے
پٹی بڑھائی۔ الگ گھر، سکرانی، صرف عباد اور وہ۔ ایک
نشر، ایک شطاس کی رنگوں میں دوزن لگا۔

”عباد کو معلوم نہیں کیا ہوا ہے، میری تو وہ سنتے ہی
نہیں ہیں الٹا ڈانٹ دیتے ہیں۔ بہت بدل گئے ہیں
وہ۔“ شایان بنجیدہ تھی۔

”ایسا کرو۔“ ملکہ نے غزل کو آنکھ ماری اور شایان
کی جانب کھسک گئی۔

”مجھے لگتا ہے کہ میں کبھی الگ گھر نہیں بنا سکتی وہ
تو...“ بے چارگی سے دوستوں کو دیکھا۔

”ارے ہم ہیں نا، فکر ہی مت کرو۔“ نازش نے
سینے پر ہاتھ مارا۔

”ارے شراغیزی اختیار کرو۔ دو چار ہوائی اڑا
دو۔ خاندان کی لڑکیوں کے تھے مشہور کرو۔ اس کی اس
سے اور اس کی اس سے۔ پھر دیکھنا... یوں۔“ ملکہ نے
ہوائی چٹکی بجائی۔

”کیسے، تمہاری ساس بلا کچھ کر الگ کرتی ہیں۔ ذرا
ماڈرن رخ کو مزید پھیلاؤ۔ گھر کی فضا کو گرم کرو۔ عباد
کے سامنے کام کے بوجھ کا رونا روؤ۔ دیکھنا یوں...“

منٹوں میں تمہارا گھر بنتا ہے۔“ عاقبت نا اندیش لڑکیاں
کیا، کیا پروگرام بنا رہی تھیں اور تقدیر ان کے کیسے پر
شاہراہ خیل کھینے کو تیار تھی۔ جو خود اپنے پیروں پر
کھپاڑی مارنا چاہتے ہیں۔ تقدیر ڈراؤر سے ساتھ دیتی
ہے۔ پھر اس کی پروا نہیں ہوتی، بندہ کتنا زخمی ہوا، کتنا
شکست خورہ ہے یا... اس کا کتنا نقصان ہوا۔ اچھایا

را۔ خدا نے دور استوں کا حقین کر دیا۔ بندے کو عقل کل
نما دی۔ اب یہ بندے کی مرضی کہ وہ کیا رخ اختیار کرتا
ہے۔

☆☆☆

”اشھو... اشھو تم!“ وہ جو بڑے سُر اور موڈ میں

خاندان کا دوسرا قصہ نائلہ اور آفاق کا تھا۔ ان کا
ایک بڑا مشہور کردیا۔ بڑی بھائی کی کزن تھی نائلہ جو
اپنے کزن کے ساتھ اکثر آ جاتی تھی۔ شین و حسام کا
ساتھ خدا نے دیا ان کی شادی ہو گئی مگر بڑی بھائی نے تو
شایان کے لئے لے لیے۔

گھر میں گھمسان کا رن پڑا۔ تو تو، میں میں۔
شایان میں ادب، لحاظ تیز کا فقدان تھا، بڑی بھائی کو بے
عزتی کا احساس ہوا۔ انہوں نے بالکل ہی شایان کا
باریکات کر دیا اور زبیدہ رحمن نے اب کی بار سنجیدگی سے
نوش لیا۔ خاندان بھر میں تھو تھو ہو رہی تھی آپو جان کی چھوٹی
دہن کتنی طرار ہے۔ اس کے قصے، اس کی باتیں۔ گھر کا
ماحول ایک تناؤ اور کشیدگی کی کیفیت۔ انہوں نے دل پر
چتر کر لیا۔

”عباد، تم اپنی بیگم کو لے کر الگ چاہو تو انیسویں میں
رہ سکتے ہو۔ یا پھر کلشن والے فلیٹ میں۔“
”جی.....!“ عباد نے نگاہ چرا کر فیصلہ دیتی ماں کو
ہکا ہکا ہو کر دیکھا۔

”میں نہیں چاہتی تمہارا گھر خراب ہو اور نہ ہی یہ
چاہوں گی کہ اس گھر کا ماحول خراب ہو۔ ماحول اور گھر
دونوں ہی بڑی مشکل اور چاہت سے بنتے ہیں۔ میں
نے اپنے گلشن کی پتیاں نہیں بھیرنی، جو صورت حال ہے
وہ سب تمہارے سامنے ہے۔“ عباد دل شکستہ سا ان کے
سامنے دوڑا تو ہوا۔

”آپ ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں؟“ عباد نے
پوچھا۔

”نہیں، میں تم سے ناراض نہیں بیٹا مگر تمہاری بیوی
کی موجودگی میں اس کا نظریہ رہتا ہے۔“ زبیدہ بیگم نے
کہا۔

”تو امی آپ اسے سمجھائیں، اس گھر کے طور
پر قیے سمجھائیں۔“ عباد نے ان کے دونوں ہاتھوں کو
تھام لیا۔

”جو شوہر کی نہیں سنتی وہ ساس کی کیسے سنے گی۔ میں
اس کے ہاتھوں سے عزت نہیں ہونا چاہتی۔ اس کی گز بھر
میں زبان۔ کیونکہ زری اور جھگڑا لوجہ۔“

ماہنامہ پاکیزہ

”امی!“ عباد کہہ سے انہیں دیکھتا چپ ہو گیا۔
”وہ سیکھنے کی عمر سے گزر چکی ہے۔ وہ الگ گھر
چاہتی ہے، اس کی یہ خواہش بھی پوری کر دو۔“ اس کی
آنکھوں میں دھواں بھرنے لگا۔ اس کی محبت اس کے
گلے میں اٹکنے لگی تھی۔ زندگی کا احساس ایک دم سے
بوجھل اور بھاری ہونے لگا۔

”پھر کیا فیصلہ ہے؟“ بیٹے کے جھگے ہوئے سر کو
ملامت سے دیکھا۔ ”مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے
مگر.....“ زبیدہ بیگم نے ملامت سے اسے دیکھا۔

”امی، میں نے آپ کو دکھ دے کر جو فیصلہ کر لیا
ہے کافی ہے، مجھے اس پر بہت شرمندگی ہے مگر.....“ عباد
نے سر اٹھایا۔ ”آپ کو اب کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“
عباد دھیرے سے اٹھا اور باہر نکلنے لگا۔

”شایان میکے گئی ہے۔“ زبیدہ بیگم نے کہا تو پلٹ
کر عباد نے ماں کو دیکھا اور باہر نکل گیا۔ اس کا دل و
وجود رنج و الم میں ڈوب رہا تھا۔ اسے شایان کو چھوڑ دینا
چاہیے۔ اس کا اور اس کا ساتھ اتنا ہی تھا۔

اس پر کسی کے سمجھانے کا اثر ہی نہیں تھا اور وہی وہ
اسے خاطر میں لا رہی تھی۔ اسے خبر ہی نہیں اور وہ میکے گئی
ہوئی ہے۔ اس کی پروا ہے اور نہ خبر۔

”شایان!“ عباد نے دھیرے سے سر تھام لیا۔

”تم نے میری محبت کو میرے لیے رستا ہوا ناسور بنا
دیا ہے۔ بے خبری تمہیں بہت مہنگی پڑے گی، تمہیں خبر ہی
نہیں ہوگی کہ میں تمہارا نہیں رہا۔“ پلکوں کی سطح بھینگنے
لگی۔ دھیرے سے فون اٹھایا اور نمبر ملانے لگا۔

”ہیلو میں شایان۔“

”شایان تم ابھی میکے میں رہو میں اسلام آباد جا رہا
ہوں، آؤں گا تو تمہیں لیتا آؤں گا۔“

”مگر..... مگر.....“ شایان نے کچھ کہنا چاہا تھا۔ اور

لفظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔ عباد نے فون رکھ دیا۔

اس کی بات سنی نہیں، کیوں۔ اسے عجیب سا مل ہوا۔

”کیا ہوا، تم نے بتا دیا عباد کو؟“ سانس زری

کھڑی تھی۔ ”نہیں..... انہوں نے کہا ہے کہ میں اسلام

آباد جا رہا ہوں واپس آ کر بک کر لوں گا۔“

جون 2007

کر دیا ہے کہ وہ سنجیدگی سے اسے علیحدہ کرنے کے بارے میں سوچیں گی۔ شایان کے طور پر تیرے الگ کہانی سنا رہے تھے۔

اس نے بھی اپنی زندگی کا بڑا اور سخت فیصلہ کر لیا۔ شایان کو طلاق دینے کا۔ زبردستی کے اس ساتھ کو نبھانے کا کیا فائدہ۔ جب ہر سو شکایت، ملامت اور رنجیدگی کی فضا ہو۔ خود شایان بھی تو رہنا نہیں چاہتی۔ اس کی زندگی میں کیا اہمیت تھی عباد کی۔ ہر فیصلہ اس کا اپنا ہوتا۔ محبت تو اسے کبھی ہی نہیں۔

”ماڈرن ازم کا شکار لڑکیاں شاید محبت نہیں کر سکتیں پھر پڑاؤ ڈالنے کا فائدہ۔“ اس نے اپنے دل کو سخت کر لیا۔

دن بڑے بے کیف، روکھے اور اداس گزر رہے تھے۔ چاہتے ہوئے بھی اس نے شایان سے رابطہ نہیں کیا۔ اور گھر میں کوئی بھی شایان کے موضوع پر اس سے بات نہیں کرتا تھا اور وہ سخت اپ سیٹ تھا۔ شایان کو اس قدر ناپسندیدگی سے دیکھا جاتا ہے فی الفور اس کا صل یہی تھا کہ اسے علیحدہ کر دیا جائے۔ اس نے علیحدہ کر دیا تھا اور اب رشتے کے خاتمے کے لیے اس کا دل کٹ رہا تھا۔ یہ احساس ہی سوہان روح۔۔۔ تھا کہ وہ شایان کو چھوڑ بھی سکتا ہے جس کو اتنی محبت اور جھگڑے سے حاصل کیا۔ کیا محبت اس کے لیے بد قسمت ٹھہری تھی۔ اس سے منسلک محبت کے رشتوں کی ناپسندیدگی اس کے لیے بد دعا بن گئی۔ انہی دنوں جب وہ اپنی ازدواجی زندگی کے حوالے سے بہت پریشان تھا، سب فیصلے اس کے اپنے تھے۔ اسے سوچنا تھا دل کا ایک محبت آمیز گوشہ مفاہمت و افہام کی راہ پر گامزن ہونے کی ترغیب دے رہا تھا۔ درگزر کا راستہ سمجھا رہا تھا مگر درگزر وہاں ہوتا ہے جہاں سامنے والا فریق کچھ راضی ہو مگر وہاں تو دیدہ دلیری تھی۔

ملکہ، غزل اور زری اس کے گھر کی تنہائی کا بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھیں روز شام کو اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ آ جاتی تھیں اور رات گئے تک یہ مخلوط محفل کباب، شراب ہوتی، بھرپور انجوائے منٹ کے ساتھ۔ شایان

”ویلڈن! یہ تو بہت اچھا ہوا۔“ اس نے آنکھ دبا کر غزل کو دیکھا۔ ”یہ تمہارے باپ کا گھر ہے، مزے اڑاؤ۔ اور ہم فریبوں کا فائدہ بھی ہو جائے گا۔ محبت کے مارے عاشق، نوادے مل بھی لیں۔ سچ بہت آہیں بھرتا ہے تمہارے لیے۔ اب تم عملی جامہ پہناؤ اور واپس مت جانا۔ الگ گھر کی بات کرو، الگ گھر عورت کا حق ہے۔ تم کیوں اپنے حق سے دستبردار ہو۔“ ملکہ نے پٹی پڑھائی۔

الگ گھر اس کا خواب تھا مگر اس کی ساس نے بیٹے کو مٹھی میں دبا رکھا تھا۔ اپنے خوابوں کی تعبیر دوسروں کو دے رہی تھی۔

”زری!“ وہ دھم سے صوفے میں دھنسن گئی۔ ”بکھی بکھی مجھے بہت کٹھن لگتا ہے عباد۔۔۔ عباد کی امی سب اچھے ہیں اور میں غلط کر رہی ہوں، کیوں غلط کر رہی ہوں سمجھ نہیں آتا۔“

”اے۔۔۔۔۔ اے۔۔۔۔۔“ ملکہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔ ”ایسا سوچنا بھی مت۔ ابھی موقع ہے سطح بھی ہموار ہے مانگ لو۔ آئندہ چند سالوں میں ماں کا بچہ عباد یہ نہیں کرے گا۔“ اس کا دل خالی خالی ہو رہا تھا اور اسے اس خالی پن کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس کی سہیلیاں خود مختاری کے نئے سبق پڑھانے لگیں جس میں سر اسراں کا ہی فائدہ تھا۔

وہ آزاد خیال فیشن ایبل لڑکیاں تھیں جنہیں اپنے تھل اور جنوں خیز یوں کے لیے ایک الگ ماحول، جگہ کی ضرورت تھی اور شایان ان کے ہاتھ میں جادوئی پتا تھا۔ پیسہ، ساتھ، خاموشی، رہائش، سب میسر تھا۔ جو چاہتی کروا لیتیں اور شایان ان کے ہاتھوں میں کھیل جی ہوئی۔ اسے خبر ہی نہ رہی کہ محبت کے راستے اس کے لیے بند ہو گئے ہیں۔ چاہت کے دروازوں پر دھکے کے قفل لگ گئے ہیں جنہیں رنج کا زنگ لگ گیا تو بھی نہیں کھلیں گے۔

☆☆☆

امی کے فیصلے نے اس کے قدم اکھاڑ دیے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شایان نے اس حد تک ہرٹ

اس کی جھٹانوں سے نہیں بنی، الگ مزاج کی لڑکی ہے وہ۔“

”امی! عباد نے دھیرے سے پیشانی مسلی۔ (وہ میری بھی تو نہیں ہے)

”اس کا مزاج ایسا ہی ہے میں اس کے حسین چہرے سے دھوکا کھا گیا تھا۔ وہ کسی بات کو نہیں سمجھتی۔“

”سمجھ جائے گی، سنبھل جائے گی بہت جلد۔ تم دیکھنا بس تم اسے الگ گھر لے دو۔“ ان کا اصرار تھا۔

”اپنے باپ کے گھر ٹھیک ہے، الگ ہی ہے وہ۔ کر لینے دیں موع میلہ!“ عباد نے متفرانہ انداز میں سر جھکا۔

”بس بیٹا، مجھ سے وعدہ کر دو کہ اسے طلاق نہیں دو گے۔“

”امی!“ عبادان کے ہلچلی انداز اور بے بس آنکھوں کی چمک پر حیران ہوا۔

”آپ!“

”تم نے اپنی کوشش کر لی ہے، اب آخری کوشش اسے سمجھانے کی راہ پر لانے کی میں کروں گی پھر تمہیں اختیار ہے۔“ دھیرے سے ان کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر عقیدت سے چومتا عباد بے غرض محبت، بنا صلے و ستائش کے ماں کی عظمت کا قائل ہو گیا۔

”شام کو پچھو کی طرف چلتا ہے۔“ محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

”کیوں!“

”ابتسام کی منگنی ہے نامدحت سے۔“

”میں نے نہیں جانا۔“

”تم جاؤ گے اور ضرور جاؤ گے۔“

”امی!“ عباد نے بے چارگی سے انہیں دیکھا۔

”بے شک مدحت مجھے پسند تھی تمہارے حوالے سے مگر کوئی بات نہیں قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں یہ بندوں کا کیا اختیار۔“ عقیدت، محبت اور فرط مسرت سے ماں کے کھنٹوں پر سر رکھا اس کی نکھیں بھگ گئیں۔

کتنی عظیم ہوتی ہے ماں۔ بچوں کی غلطیاں، بے شک مدحت مجھے پسند تھی تمہارے حوالے سے مگر کوئی بات نہیں قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں یہ بندوں کا کیا اختیار۔“ عقیدت، محبت اور فرط مسرت سے ماں کے کھنٹوں پر سر رکھا اس کی نکھیں بھگ گئیں۔

سکا والد سے رابطہ صرف نو بن پر ہوتا تھا اور فی الحال وہ نہیں آرہے تھے۔ سارہ آئی کی اہمیت ہی کتنی تھی۔ بے شک ساری عمر پالا تھا مگر والوں کی غیر موجودگی میں گھر کا خیال و دھیان رکھا تھا مگر بے راہ رو دوستوں، من مانی، من مرضی کے فیصلوں، بے دریغ پیسے کا استعمال اور حد سے بڑھی ہوئی آزادی نے سمجھ بوجھ کے پودے کو پروان چڑھنے ہی نہیں دیا۔

ایک ماہ ہو گیا تھا اسے گئے ہوئے۔ گھر کا ماحول ویسا ہی پر امن اور پرسکون تھا۔ اس نے بھی کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس روز امی کے پاس بیٹھا تھا کہ اچانک ہی سر جھکا کر قدرے سخت مزاجی سے کہا ”امی میں اسے طلاق دے رہا ہوں۔“

”کیا!“ انہیں اپنی سماعت پر شک گزرا۔ ”کیا کہا؟“

”ہاں، امی، مجھے اعتراف ہے میرا فیصلہ غلط تھا۔ جذبوں کے مارے جذباتی فیصلوں کا انجام یہی ہونا چاہیے میں اسے طلاق.....“

”ایسا سوچنا بھی مت عباد! ہمارے خاندان میں کبھی کسی کو طلاق نہیں ہوئی۔“

”امی..... میرا اس کے ساتھ گزارہ اب بہت مشکل ہے۔ وہ آزاد خیال ایک گھر بنانے کے قابل ہے، نہ گھر میں رہنے کے۔“

”تم اسے الگ گھر لے کر دو سمجھاؤ۔ دراصل وہ اکیلے گھر میں رہی ہے۔ اسے اتنے سارے افراد کے درمیان رہنے کی عادت نہیں ہے۔“

”امی!“ وہ انہیں دیکھتا رہ گیا۔ انہوں نے نگاہ جمائی۔ ”اس کے باوجود کہ اس نے اس گھر کے تمام لوگوں کو ہرٹ کیا۔ انہیں دکھ دیا۔ خاندان بھر میں اس کی وجہ سے جگ ہنسائی ہوئی۔ آپ اس کی سائیڈ لے رہی ہیں۔“

”ہاں، اس سب کے باوجود وہ تمہاری خوشی، تمہاری پسند بھی تو ہے۔ تمہارے گھر کی بنیاد بھی تو ہے، کچھ جائے گی۔ ابھی اسے اتنی گہرداری کی سمجھ بوجھ نہیں ہے۔ میں تمہیں الگ گھر بنانے کا مشورہ کبھی نہ دیتی مگر

”اچھا.....“ عباد کا خون رگوں میں ٹھہر گیا۔

”کمال کی چیز ہے اکثر فون پر بات ہوتی ہے بیوی کے ساتھ کسی ہوتی ہے۔ دل چاہتا ہے انسان اس کی مہکتی ہوئی کمپنی سے نکلے ہی نا۔“

”اچھا..... پھر کیا ارادہ ہے بے“ ذومعنی سالجہ۔ عباد کی مٹھیاں پھینچ گئیں۔

”ارادہ.....“ ٹھنڈا گہرا سانس۔ عباد کے خون کا فشار بڑھنے لگا۔ وہ دونوں اس کی آمد سے بے خبر تھے۔

بے اختیار پلٹ کر اندر آیا۔ محفل کی رونقیں اپنے عروج پر تھیں۔ اس کی محبت، اس کی بیوی، اس درجہ تماشا۔

نہی۔ کس بات کی کمی تھی اس میں کوئی روک ٹوک نہیں۔ کسی چیز کی تنگی نہیں۔ قید و بند کی پریشانی نہیں اس کی پیشانی پر شکنوں کا جال تھا۔

”عباد، ارے عباد..... ادھر آ۔ سن تو ذرا۔“ اپنے نام کی پکار پر پلٹا۔ اس کا ارادہ امی کو بتا کر جانے کا تھا۔

چھوٹی دادی اسے بلارہی تھیں۔

”جی دادی اماں!“ قریب آ کر سلام کیا۔ بے دلی کے ساتھ ان کے قریب اخلاق بھانے کو بیٹھ گیا۔

”کیا بات ہے، کچھ پریشان ہو۔ کدھر غائب ہو اور تمہاری بیگم کدھر ہے، وہ نہیں آئی کیا بے“ عباد کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھا۔

”بیگم.....“ زیر لب قدرے دکھ سے دہرایا۔ (ہم جیسے بد نصیب جو بد عاؤں کے حصار میں ہوں کہاں بیگم رکھ سکتے ہیں)۔ دادی اماں نے بوئے میں سے پان نکال کر گھوری منہ میں ڈالی۔ ”نہیں.....“

”کیوں نہیں آئی؟“

”میکے گئی ہے، میں چلوں۔“ وہ اٹھنے لگا۔

”بیٹھو ذرا۔“ دادی نے بازو پکڑ لیا۔

”تمہاری بیوی ہے وہ، اپنے خاندان کے متعلق تم نے ہی اسے سمجھانا ہے اس کے اندر اخلاقی حمیدہ کی کمی ہے بیٹا۔ زندگی گزارنے کے طور طریقے، رہن سہن کے انداز، رشتوں کو برتنے کے سلیقے کی بہت کمی ہے اس کے اندر۔ رشتے جب تک اہم نہیں ہوتے جب تک ہم انہیں اہم نہ سمجھیں یا اہم نہ بنائیں۔“ عباد ان کی شکل دیکھتا رہا۔

کوتاہیاں، کفارے کے طور پر اپنی جھولی میں ڈال لیتی ہے۔ کاش! کاش..... وقت کے اس گھوڑے کو اپنے رخ پر چلا سکتا۔ ایک بار پھر گیا وقت آتا اور ماں کے آگے سرنگوں ہو جاتا۔ اسی مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے مگر..... اشک ماں کے دامن میں جذب ہونے لگے۔

انسان بڑا خود غرض ہے، اپنی غرض، اپنی خواہش پوری کر کے غور کرکھا کر پھر سنبھلتا ہے۔

☆☆☆

چپ چاپ خاموش، عباد گھر والوں کے ساتھ ایک عرصے بعد کسی تقریب میں شریک ہوا تھا۔ ہر چیز اس کی زیرک نگاہ نوٹ کر رہی تھی۔ بڑی بھابی، راحہ بھابی، ندا بھابی۔ پھپھو، خالہ، مریم پھپھو ہاتھوں ہاتھ لے رہی تھیں۔ دیر سے آنے کی وجہ جان رہی تھیں، اک دن پہلے نہ آنے کا گھر کر رہی تھیں۔

کاش..... گھر کے پُر امن ماحول کا خواہاں عباد ہرگز کر رہ گیا۔ تم بھی اس خاندان میں جگہ بنا ڈالیں، تمہارا دامن بھی خوشیوں اور مسرتوں سے بھر جاتا۔ مگر تنہائی کی خواہش اس کے تن من سے لپٹ کر قفس کرنے لگی تھیں تو پیری محبت میں بھی گھر بنانا نہ آیا۔

تمہیں مجھ سے محبت تھی ہی کب؟ اس نے باہر لان کی جانب رخ کیا۔ چاند بادلوں کے پیچھے چھپ چھپ کر نکل رہا تھا۔ بے چینیوں کے بادل تن من سے لپٹنے لگے۔ لان کے دران گوشے میں لگی تنگ پر بیٹھ کر سرگرمی لگا یا۔

☆☆☆

”وہی آج آئی کیوں نہیں؟“ آواز پر وہ چوڑکا۔

”خبر نہیں، ممانی کے گھر والے تو سب آ گئے۔ عباد بھی آ گیا۔“

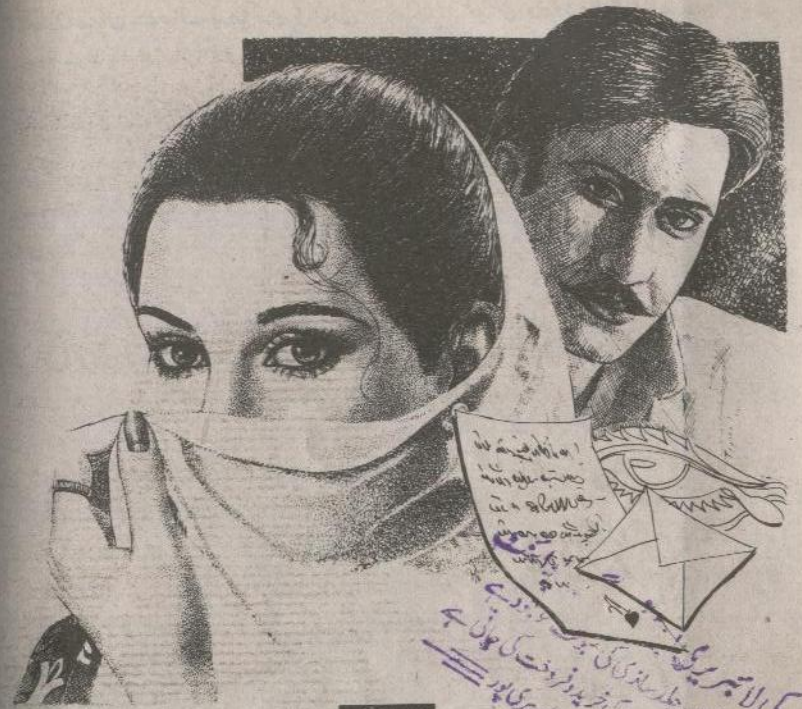
”ہے خاصے کی چیز، محفل آباد کر دیتی ہے عباد کی بیوی۔“

”ادھر سے ماڈرن لک دیتی ڈریسنگ۔“

”گلتا ہے بڑی تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔“ عباد کی تمام حسیات بیدار ہوئیں۔ یہ جاوید اور ابرار تھے۔

”میں نے تو اسے ڈرن بھی کرایا تھا۔“

ماہنامہ پاکیزہ



ناولٹ

اعتبار محبت

عالیہ حرا

غم، غصے، دکھ اور رنجیدگی سے اس کا دماغ پھٹ رہا تھا۔ اس کا دل چاہا خود جائے اور شایان کے کٹوے کر دیے۔ کم عمر، ناقص العقل..... نابالغ تو نہیں تھی۔ کسی تربیت بھی اس کی جو اس کے ساتھ نہ بھی اسے نہ سکھایا۔ پورے خاندان میں عباد کی بیوی..... عباد کی دلہن کے نام پر تھوہو رہی تھی۔

”تف ہے تم پر عباد الرحمن۔“ بے اختیار شدید اعصابی حملوں غصے کے تناؤ میں جتنا عباد نے گاڑی کا رخ

اس کے گھر کی طرف کیا۔

”آج سارا حساب بے باک ہو جائے۔ رہے رہے نہ رہے نہ رہے۔ محبت تو نثار دہو ہی چکی ہے۔“ مگر شایان کی قسمت اچھی تھی یا اس کی تقدیر بری۔ چونکہ اس نے کہا ”بی بی گھر میں نہیں۔“ اس نے گھڑی دیکھی دس بج رہے تھے۔ گاڑی واپس موڑ لی۔ لب پہنچے دھواں اڑاتی آنکھوں کے ساتھ وہ رات گئے تک اپنے دل میں ماتم کناں شام غریباں مناتا رہا۔ اس کا دل ابورنگ بار بار

آنکھوں کی سطح کو نرم کر رہا تھا۔

”عباد رات کو تم کدھر چلے گئے تھے سب تمہارا پوچھ رہے تھے۔“ بڑی بھابی ناشتے کی ٹیبل پر چپک رہی تھیں۔ ”خاص طور پر مریم پچھو۔“ ندا بھابی نہیں، وہ ان دونوں کو دیکھ کر رہ گیا۔ شایان نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہوتا تو یہ اچھا کرتیں۔ عباد نے سر جھکا کر چائے کا کپ کھسکایا۔

”آتے ہوئے آپ کی طرف چلے جانا بہت پوچھ رہی تھیں۔“ زبیدہ رحمن نے بیٹے کا ستا ہوا چہرہ دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

”جی!“ اس نے ایک سلاک بے دھیانی میں اٹھا لیا۔ جانے کیوں بے انتہاد کھ سا ہوا۔ ہنستا، کھلتا عباد محبت کا چاند پا کر گہنا گیا۔ چائے پی کر وہ اٹھ گیا۔ گہری سنجیدگی سے گاڑی باہر نکالتے ہوئے اس کے گھر کا رخ کیا۔ پیشانی پر ششون کا حال تھا۔ گیٹ پر چوکیدار نے بتایا: ”جی بی... تو فارم لو اس چلی گئیں اپنی دوستوں کے ساتھ۔“ اس کے کانوں کی لوہیں دہننے لگیں۔ ایکلی تمہا شہر سے باہر۔ سندھ کے علاقے میں۔

”کب آئیں گی؟“

”معلوم نہیں۔“ اس نے گاڑی واپس موڑ لی۔

”آر پار اس ٹھیل کو اب ختم ہو جانا چاہیے۔ اسے میرے ساتھ کی ضرورت ہے نہ میری ناراضی کی پروا اور نہ اس بات کا احساس کے اپنے پیچھے وہ کیا کر آئی ہے۔ اس کے حوالے سے لوگ اسے کیا کہتے ہیں۔ محبت نے سوائے دکھ کے کیا دیا۔ نقصان کے اس ٹھیل کو ختم ہو جانا چاہیے۔ امی کو یہ سمجھا دوں گا۔ اس کا ساتھ ممکن نہیں۔ میں غلطی پر تھا اور قسمت غلطیوں پر سزا ضرور دیتی ہے۔ تقدیر کے کاموں میں مداخلت کی سزا۔“

☆☆☆

آفس میں دن سوچتے ہوئے گزرا۔ آفس میں پچھو کا فون آیا۔ پچھو کے گھر جانا ہی پڑا اور انہوں نے شایان کے حوالے سے بے بھاد کی سنائیں۔ اسے اچھا خاص ذلیل کر ڈالا۔ وہ سر جھکائے سنتا رہا۔

”کیا دیکھا تھا تم نے اس کے اندر سیرت..... جو

نام کو نہیں، اخلاق..... جو قابلِ نفرت ہے عادتیں جو ایک گھر تباہ کر دیں۔ صورت..... صورت کو کب تک چائو گے۔ محبت کرنی ہی تھی تو صورت سے کیوں کی خوب سیرتی دیکھنا تھی نا۔ بے راہ روی، مکاری، آزادی نے اسے شیطان بنا دیا ہے۔“

”پچھو!.....“ وہ سانس لینے کو رکیں۔ ”میں سخت شرمندہ ہوں۔“

”تمہاری شرمندگی کو میں نے کیا کرنا ہے۔ خبر تو اس کی میں لوں گی۔ تمہارے پچھو یا کی طبیعت سنبھل جائے تو گھر آؤں گی۔ اس نے جو فضل ہوئی ہے میں نے جڑ سے اکھاڑ پھینکی ہے۔“ وہ سر جھکائے سنتا رہا۔ اس کا تصور کوئی نہیں تھا۔ مگر اسے سارے قصور ماننے تھے۔

شایان اس کی بیوی تھی۔ وہاں سے نکلا تو سخت مشتعل اور متنفر تھا۔ سیدھا ادھر پہنچا۔ اور چوکیدار کے بتانے پر کمر لیا۔ اندر میں بوڑھا چلا گیا۔ وہ اپنے بیٹروں میں تھی۔ شایان اس کی دہان پر بے ساختہ کبل میں دیکھی دہل کر اٹھی تھی۔ زرد چہرہ اتری ہوئی رنگت، کمزور لاغر وجود اک نگاہ میں دیکھا۔ چاند چہرے کا سن ماندا تھا۔ اک نگاہ شایان نے ڈالی مگر اسے مطلع پر داندہ تھی۔

”تم ایک بد زبان، حاسد، منافق لڑکی ہو۔ مجھے خود پر افسوس اور ندامت ہے کہ میں نے تمہارا انتخاب کیا۔ تم میرے لیے سزا ہو، محبت نہیں۔ اپنے پیاروں کا دل دکھانے کی سزا مجھے ملنی چاہیے۔“ عباد کے لہجے کی پھونکار سنتی شایان ساکت تھی۔ شعلے انگلی نگاہیں اس پر مرکب تھیں۔

”کوئی خصوصیت ہے تم میں گھر مٹانے کی۔ پچھلے ڈیڑھ سال میں تم نے مجھے کیا دیا سوائے ذلت، رسوائی، بدنامی اور درد مسلسل کے بد فطرت عورت.....“ اسے شایان کے زرد چہرے کی مطلق پروا نہیں تھی۔ اسے چاند چہرہ ستارہ آنکھیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ سوائے اس سخت و خجالت کے جو وہ ابھی سہ کر آ رہا تھا پچھو کے گھر سے جو انسٹ، بے عزتی اسے ملی تھی اس کا تذکرہ نہیں تھا۔

”ایک بد فطرت کینہ پرور اور حاسد عورت کے لیے میں اپنے پیاروں کو چھوڑ دوں..... کیوں صرف

تمہارے لیے! کیوں کیا دیا ہے تم نے مجھے۔ جو میں بڑا بیٹوں کو دکھ دوں کیوں! جن کے اندر خود اچھائی نہ ہو دوسروں کو کیا جانیں گے ان کی اچھائی کو کیا پچھائیں گے۔ اچھا تو ماں نہیں بنی ہو تمہاری اولاد تمہاری طرح غافل رہتی۔ جو اچھی بیوی نہیں بن سکی وہ اچھی ماں کیسے بنے گی۔ تمہارے جیسی امیر زادیاں۔ وقت گزارنے کے لیے ہوتی ہیں میں احمق اعظم تھا جو تم سے شادی کر بیٹھا مگر ابھی وقت میری دسترس میں ہے اور میں فیصلہ کر چکا ہوں تمہیں چھوڑنے کا۔“ تنفرانہ اندازِ تحارت کی نگاہ۔ رسوائیاں، بدنامیاں دھول اڑا رہی تھیں۔ محبت رخت سبز باندھ چکی تھی۔

”لغت ہے میری زندگی پر۔“ عباد پلٹا۔ عباد واپس جا رہا تھا۔

”لغت ہے میری زندگی پر“ شایان ہڑبڑا کر پیچھے بھاگی۔ زرد، کمزور لاغر پیچھے بھاگنے کی خواہش نے قدموں کو کھینچ لیا۔ ”لغت ہے میری زندگی پر۔“ وہ ڈمگمگ کر کاؤچ پر گری۔ رخت سبز باندھتی بھاگتی محبت کو روکنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ ہاتھ وہاں معلق رہ گیا۔ اس کی محبت کا دم گھٹنے لگا۔ ہڑبڑا کر نیچے گری۔ بند آنکھوں کے پیچھے عباد کا دلکش سراپا تھا۔ اس کے وجود میں محبت سلامت تھی۔ آئی سارہ بھاتی ہوئی اندر آئیں۔ تیزی سے نکلتے عباد کو بھی دیکھا تھا۔ بے دم شایان زمین بوس ہو گئی۔

”شایان..... شایان..... جانو کیا ہو سچے۔ آنکھیں کھولو۔“ نیم جان مردہ سی وہ ان کے ہاتھوں میں جھول گئی۔

”عبا..... عباد۔ میری..... بات.....“ وہ کہتے ہوئے ایک طرف کو لڑھک گئی۔ اسے شدید قسم کا نروس بڑیک ڈاؤن ہوا تھا۔

دل کی بے چینی دے پانی کے باوجود عباد نے پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ دین جاں کس حال میں ہے اور دین جاں رہی کب تھی۔ محبت میں کب تک خوار ہوتا رہتا۔ اس کی زندگی میں ایک خاموشی اک چپ شامل ہو گئی تھی۔ ایسے معمولات میں غیر ضروری مصروفیت بھی شامل کر لی تھیں۔ گھر میں ویسے ہی حالات ہو گئے تھے، خوش باش

شہر آشوب

تمہیں کچھ یاد ہے جاناں

سفر کی شب میں جب اس پل

محبت چاند بن چکی

نگاہوں کا فسون تھا یا

گرفت لہجوں کی تھی ہم پر

فلک سے نور سا رہا

دلوں سے اک صدا ابھری

یہی ہے میرا ”مہراہی“!

شیم ناز صدیقی، کراچی

چہرے، ہنسی مسکراتی بھابیاں اور ادھر ادھر بھاگتے بچے۔ گویا جانے والی سے کوئی رابطہ ہی نہ ہو۔ کسی نے اس کے متعلق پوچھا ہی نہیں تھا پوچھا تو ان کے متعلق جاتا ہے جو باہمی رویوں، رابطوں اور ضابطوں کا خیال رکھتے ہیں۔ اک آسودگی، ذہنی سکون اور اطمینان اس کا نصیب ہی نہیں تھا زبیدہ رحمن عباد کے لیے بے حد دھمی، طول ہو رہی تھیں۔ بے شک اس نے فیصلہ اپنی پسند کا کیا تھا مگر وہ بالکل یہ نہیں چاہتی تھیں کہ بیٹے کا گھر اجڑے اور جو صل انہوں نے بنایا تھا عباد اس پر راضی نہیں تھا۔ رعنا بھابی تو چاہتی ہی تھیں کہ شایان کو طلاق دے عباد تو اپنی بہن کو اس کی جگہ لا کر لیں۔

عباد آج کل اس معاملے سے بالکل ہی لاتعلق ہو کر رہ رہا تھا مگر زبیدہ رحمن اور لاتعلق نہیں رہ سکتی تھیں۔ شاید تابوت میں آخری کیل انہوں نے ہی ٹھونکی تھی پھر گاڑی چل پڑی یا پھر ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی۔ وقت کے ساحل پر ریزہ ریزہ ہو کر بھر جاتی۔



شایان بہت لاغر اور کمزور ہو گئی تھی۔ ایک دم سے

اس میں بہت تبدیلیاں آئی تھیں۔ ساری ماڈرن سہیلیاں، کلب، پارٹیز، پلنگ سب ختم ہو گئی تھیں۔ چپ گم صم، مول سی پیڑھیوں پر بیٹھ جانی اور آنے والے راستے پر نگاہ جم جانی۔ شدت سے اک کی، کوتاہی، غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ وجود جیسے بالکل خالی ہو گیا تھا۔ کتنی بری لڑکی ہے وہ۔

”لغت ہے میری زندگی پر.....“ گھنٹوں پر سر رکھ کر آنکھوں کی نم کھچھالیتی۔

”لغت ہے تم پر.....“ عباد کے لفظوں کی گونج اسے چابکی کی طرح لگتی۔ اپنی غلطیوں، کوتاہیوں کا احساس شدت سے ہونے لگا تھا۔ برائی کی راہ پر وہ کیسے چل پڑی تھی کسی نے روکا ہی نہیں مگر روتا بھی کون..... کون تھا اس کا..... گھنٹوں پر سر رکھے دو سوچے جانی۔

”ماما، جنہوں نے میرے پیدا ہونے کے بعد ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔“

”ابو.....“ اک سسکی سی وجود میں اتر گئی۔ ”انہوں نے صرف اپنے لیے سوچا۔ میرے پاس وہ رہے نہیں کبھی“

مجھے اچھے برے کے متعلق نہیں بتایا۔ میں تو زندگی کو اپنے متعین کردہ راستوں پر چلا رہی تھی۔ میری قسمت بری تھی جو مجھے برے دوست ملے۔ بری صحبت ملی اور میں اس کو اچھا سمجھ کر چلتی رہی۔ رویے، رابطوں، ضابطوں میں توازن کیا جاتا ہے مجھے نہیں معلوم؟ اچھی لڑکی کے اوصاف کیا ہوتے ہیں میں یہ بھی نہیں جانتی؟ ایک اچھا گھر کیسے تعمیر ہوتا ہے میں..... میں..... ”وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔“

”میں واقعی بہت بری ہوں۔ عباد..... عباد مجھے معاف کر دو۔ میں اچھی لڑکی بن جاؤں گی۔ مجھے چھوڑنا مت۔ پلیز مجھے طلاق مت دینا، مجھے معاف کر دو۔“ اس نے بند ہوتی آنکھوں کے سامنے یوں ہاتھ جوڑے گویا عباد سامنے کھڑا ہو۔

”شایان..... شایان..... فون ہے۔“ پیچھے سے آنے لگا۔

”کہہ دیں ان سے شایان مرگئی ہے۔“ وہ جھٹکے سے مڑی۔ ”اور کہہ دیں انہیں آئندہ یہاں فون مت

کریں۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”شایان..... کیا ہوا بیٹا؟“ وہ سرعت سے آگے آ کر.....

”کچھ نہیں ہوا مجھے۔“ شایان نے ہاتھ جوڑ کر.....

”جائیں یہاں سے میں بری ہوں بہت بری ہوں۔ لعنت ہے مجھ پر۔“ ہاتھوں پر چہرہ گرا لیا۔ آنی نے اسے دکھ سے دیکھا۔

”میں احمد صاحب کو فون کرتی ہوں کہ وہ آ جائیں بی بی کی طبیعت خراب ہے۔ ہر وقت روتی رہتی ہیں۔ عباد صاحب بھی انہیں یہاں پھونڈ گئے ہیں۔ کوئی رابطہ نہیں کرتے، کتنے ہفتے ہو گئے ہیں۔“

”شایان۔“ آنٹی سارہ آگے بڑھیں اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ”شام ڈھل رہی ہے بیٹا۔ اس سے دونوں وقت ملتے ہیں ایسے کیوں رو رہی ہو کیا ہوا ہے۔“

مجھے بتاؤ بیٹا، میں تمہاری کچھ نہیں لگتی۔“ آنے آچل سے آنسو صاف کیے۔ ”بولو بیٹا!“ متورم چہرے کو دیکھا۔

”کچھ نہیں آنی۔“ شایان دھیرے سے کھڑی ہو گئی۔

شام کا ملگجا اندھیرا پھیلنے کو تھا۔ اس کے بعد رات کی سیاہی ہر سو تن جانی۔ رات..... کالی رات، گناہ اور

ثواب کی رات، شر انگیزی اور برہیز گاری کے تعین کی رات۔ وقفے وقفے سے آنسو گر رہے تھے۔ تعلیم، تربیت، اخلاقیات کا توازن انسان کو کیا بنا دیتا ہے اور عدم توازن۔ اس نے منہ سے نکلتی سسکی دہائی۔ آنکھوں سے سوتے پھوٹ نکلے۔ وہ اندر بھاگی۔ دیوار سے ٹکرائی لڑکھرائی۔ سنبھلی اور اندر بڑھ گئی۔

”شایان..... شایان۔“ آنٹی پیچھے بھاگیں۔

”جانے کیا ہو گیا ہے رونی ہے تو رونی چلی جاتی ہے دن دیکھتی ہے نہ وقت.....“

☆☆☆

”عباد فارغ ہو تو میری بات سننا۔“ زبیدہ بیگم نے عشا کی نماز کے بعد بیچ بڑھتے ہوئے رخ پھیرا تو عباد کو گزرتے دیکھا۔

”جی.....“ وہ گزر گیا تاہم چند لمحوں بعد کافی کانگ لے کر آ گیا۔

”جی.....!“ وہ ان کے سامنے فلور کشن پر ریلیکس ہو بیٹھا۔ ہر سو اک گہری خاموشی تھی۔ زبیدہ زحمن مکمل ہوئی کے لئے رات گئے عشا کی نماز پڑھتی تھیں۔

میں نے دعا مانگ کر آئین کہتے ہوئے منہ پر ہاتھ پھیرا اور اس پر چھوٹک ماری۔

”اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ میں نے تم سے کہا بات کرنا تھی۔“ بخور اس کی جانب دیکھتے ہوئے چند لمحوں کے بعد کہا اس نے نگے ہونٹوں سے لگا کر گھونٹ لیا۔

”تم نے اپنی زندگی کے بارے میں کیا سوچا ہے عباد؟“ دھیرے سے کپ کے اوپر سے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ”تفکر انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔“

”نی الحال کچھ نہیں، آفس کی جانب سے شاید میں اس چلا جاؤں وہاں ہماری فرم کی ایک شاخ بن رہی ہے۔ اچھے مختی ور کرز کی ضرورت ہے، پہلے آپ کو اس لیے نہیں بتایا کہ کام ہو یا نہ ہو میں نے اپنا پاسپورٹ انہیں دے دیا ہے۔ انشا اللہ چند ہفتوں میں، میں چلا جاؤں گا وہاں سے واپسی پر دوسری شادی کا سوچوں گا۔“ زبیدہ زحمن بچا بچا انداز میں اس کا دو سالہ پروگرام سن رہی تھیں۔

”انتا بڑا فیصلہ کر کے تم اب بتا رہے ہو.....!“

”مجھے تو یقین تھا کہ یہ نہیں ہوگا اب ہو گیا تو میں کیا کر سکتا ہوں۔“ مسکرایا۔

”اور شایان.....؟“ تفکر سے اسے دیکھا۔

”جاتے ہوئے اسے طلاق دے کر جاؤں گا۔“ عباد اطمینان سے بولا۔

”عباد.....!“ انہیں شاک لگا۔ ”تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے سمجھو تم! وہ تہاہری بیوی ہے اتنے دن لڑائی لڑنے کے بعد عقل دے دی ہوگی۔“

”بے عقلوں کو بھی عقل نہیں آ سکتی، فضول ہے انتظار۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں میرے دل میں اس کے لیے گنجائش نہیں۔ آپ میرے لیے لڑکی دیکھنا شروع کر دیں، کسی کی یاد میں میرا بن باس لینے کا ارادہ نہیں ہے۔“ اس کا لہجہ جتنی اور مضبوط تھا۔

”عباد تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، شایان سے رابطہ کرو۔“

”ام پاسل.....!“ اس نے سر جھٹکا۔ ”آپ کیوں مجھے میری غلطی کا احساس دلا کر شرمندہ کرتی ہیں امی، وہ اس گھر کے قابل نہیں۔“

”یہ تم نے پہلے سوچنا تھا، اب اسے اس گھر کے قابل بنانا میرا فیصلہ ہے۔ تم اسے لے کر آؤ۔“ زبیدہ بیگم نے حکم دیا۔

”نو..... نیورا!“ عباد یوں بدکا گویا بچھو دیکھ لیا ہو اور ایک دم سے کھڑا ہوا۔ ”آئندہ ہم اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔“ اسے راہ فرار اختیار کرتے دیکھ کر وہ چپ کی چپ رہ گئیں۔

چند دن سے جانے کیوں انہیں شایان کا خیال آ رہا تھا۔ دو دفعہ اسے خواب میں دیکھ چکی تھیں۔ بے برگ، بے آسرا، سرگرداں و پریشان، کا سہ دل لیے، دھیرے دھیرے بیچ کے دانے گرائی وہ گہری سوچ میں گم ہونے لگیں۔

☆☆☆

شایان ٹیلی ویژن پر ڈاکو میٹری مووی بے دھیانی سے دیکھ رہی تھی، سوچیں اور خیالات منتشر ہی رہتے تھے۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ جانتی تھی ”عباد اس سے نالاں، ناراض اور تھا تھا۔ پلٹ کر گیا تو کوئی رابطہ ہی نہیں کیا۔ تو تم نے کون سا ضابطہ سنبھالے جو وہ رابطہ کرتا۔“ آنکھیں جھٹکے لگیں۔ محبت تو اس نے ختم ہی کر دی ہے مگر رشتہ..... رشتہ ابھی سلامت ہے۔

”رشتے کو سلامت ہی رہنا چاہیے، میں اس رشتے کو ٹوٹنے نہیں دوں گی۔“ یک لخت ایک بار پھر بے چینیوں اور بے تابیاں اس پر حملہ آور ہوئیں۔

”میں..... میں عباد کو فون کرتی ہوں۔“ بے ساختہ ہی فون کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ بھی تیل کی زوردار آواز سے لاؤنچ گونج اٹھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ ”ہیلو.....“

ہیلو شایان کیسی ہو، کدھر ہو کبھی تم نے رابطہ ہی نہیں کیا۔“ زری تھی، اس کی پیشانی تن گئی۔

”مجھے اب کسی سے رابطہ نہیں کرنا اور نہ ہی تم آئندہ مجھے فون کرنا، مگر جی ہے شایان تمہارے لیے۔“ اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

”ارے بھئی! ایسا کیا ہو گیا کھیل میں تو یہ سب چلتا ہے نا، چلو غصہ تھو کو اب دیکھو، ہم سب تمہیں یاد کر رہے ہیں۔“

”مائی فٹ.....! میں نے کہا نا!“

”لو، شیراز سے بات کرو، ٹوٹی تمہارا پوچھ رہا ہے۔“ اس نے فون رکھ دیا۔

بے جا آزادی، اندھے اعتقاد اور ماڈرن ازم نے اسے جو نقصان پہنچایا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ فارم ہاؤس میں گزارے ہوئے ایک دن نے اس کی زندگی کی کایا پلٹ دی۔ اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

”آف.....!“ اسے اپنے روٹنے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ ”اعت ہے میری زندگی پر۔“ ہوا کے دوش پر جملہ اس کے گرد قفس کرنے لگا۔ با اختیار صوفے پر سٹ پر کھٹنوں کے گرد بازو پلٹ کر اس نے سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ اس کے پاپا کی عزت، اس کا تقدس، عبادی حرمت..... کس قدر کتر ہے اس کی ذات۔

ٹوٹی کی مکروہ ہنسی اس کے گرد قفس لگانے لگی۔ کانچ کے بلوریں گلاس میں بھرا سرخ جام اس پر چمکا۔

”تم..... تم مسلمان ہو؟“

”ثبوت دو، اے مسلمان ہونے کا؟ اگر مسلمان ہو تو اپنے گھر سے لاکھوں میل دور اس فارم ہاؤس میں کیا کر رہی ہو، غیر لڑکوں کی اس محفل میں؟“ ٹوٹی آوارگی سے اس کے بالوں کو چھو کر اس کے رخسار پر چٹکی کاٹ کر اس نے خباثت سے کہا تھا۔

”زری..... زری۔“ وہ دشت سے چیخی تھی۔ کھلکھلاتے ہوئے وہ ڈیپ ریڈ سیلیوس شرٹ اور ٹائٹ سے ٹراؤزر میں سامنے تھی۔

”کیا ہوا شینی۔“ وہ دل آویز انداز میں اس کی جانب بڑھی تھی۔

”یہ..... یہ اپنے کزن کو دیکھو، یہ کیا کر رہا ہے، کیا کرنے جا رہا ہے اور تم، تم کیا بنی ہوئی ہو، چلو، چلو واپس

چلیں۔“ یکدم سے کھڑی ہوئی اس کے حواس باختہ ہونے لگے۔ وہ ماڈرن ضرورتی مگر اتنی گری ہوئی نہیں تھی جتنا وہ گریڈ پہ سمجھ رہی تھیں۔ زری، غزل، ملکہ، شہر سے دور فارم ہاؤس میں آنے کا پروگرام بھی ان کا ہی تھا اور وہ دوستوں کی خوشی، قہر، اور پینک کے نام پر خوش ہو گئی تھی۔ پاپا کے ساتھ اکثر اتری رہتی تھی۔

پورے فارم ہاؤس میں چند ملازم ہی تھے۔ ٹوٹی جو زری کا بوائے فرینڈ تھا، شیراز غزل کا سنگیت تھا، ملکہ کا فرینڈ ابھی تک پہنچا نہیں تھا۔ ان سب نے مل کر شراب اور شباب کی محفل گرم کر رکھی تھی۔ تیز میوزک، اس میوزک پر زری اور غزل کا ناچنا تھا۔ وہ بھی جاگے بگاھے ان کا ساتھ دے رہی تھی مگر اندر سے یکدم ہی اسے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کچھ بے چینی سے، کچھ عجیب سائل ہو رہا تھا۔

”آؤ نا۔“ ٹوٹی نے یکدم ہی اسے کھینچ کر اپنے مقابل کھڑا کیا تھا۔ ہم قدم، ہم نفس۔

”پلیز.....“ اپنی کمر کے گرد لپٹے ہاتھ کو پیچھے کیا تھا۔

”یہ لو۔“ گلاس میں موجود سیالی سی شے اس کے ہونٹوں سے لگادی ”زندگی انجوائے کرنے کا نام ہے ہی!“

مکروہ ہنسی اس کے بے حد قریب تھی۔

”آخ تھو.....“ اس کا حلق کڑوا ہوا گیا۔

”چھوڑ دو مجھے۔“ شایان تڑپ کر اس کے شپے سے نکلنے کے لیے چلی۔ ٹوٹی کی گرفت اور مضبوط ہوئی، جیسے سے سر اونچا کیا۔ خباثت اور کینٹکی جو تھیں اس کے چہرے پر۔

”زری، زری۔“ وہ دشت زدہ ہرنی کے مانند بدکی تھی۔

”چھوڑو مجھے، چھوڑو!“ اس کے چہرے پر مکروہ ہنسی تھی۔

”چھوڑنے کے لیے تو اتنا سفر طے نہیں کیا میری جان۔“ وہ اس پر حاوی ہونے لگا۔

”زری، زری۔“ تیز میوزک، وہ دونوں جانے کہاں تھیں اور ٹوٹی اس پر جھٹکا جا رہا تھا۔ پوری طاقت لگا

کر وہ اس کے بازو پر کاٹ کر اس کی گرفت سے نکلی۔

”زری، ملکہ۔“ میوزک بند کر کے وہ چیخی۔

”کیا ہوا، کیا ہوا۔“ وہ بھاگی چلا آئیں۔

”یہ..... یہ تمہارا..... کزن، شینی!“ وہ حواس باختہ ہوئی۔

”ہا..... ہا..... ٹوٹی اس کے قریب آیا۔

”کیا..... کیا ہے میں نے اور کیا کرنا چاہتا تھا۔“ اس کے رخسار پر چٹکی کالی۔

”ٹوٹی کو تمہاری بہنی پسند ہے شینی، دے دو ذرا۔“ زری نے آنکھ دبا کر اسے دیکھا، وہ ہدک کر پیچھے ہوئی۔

”کیا..... کیا، کیا بکواس ہے یہ۔“ چلو واپس چلو۔“ اس پر دیوانگی طاری ہونے لگی۔

”شینی، شینی کیا ہوا ہے تمہیں، یہ سب تو عام سی بات ہے، آپس کے تعلقات میں ہوتا ہی ہے شایان یہ کیا ہوا اگر ٹوٹی نے.....“

”بندر کرد اپنی بکواس!“ وہ دھاڑی۔

”تم بھی تو عباد سے طلاق لے رہی ہو، بہت اچھا ہے ٹوٹی۔“

”زری کیا خرافات ہے یہ، کیا بکواس ہے، ہم یہاں پینک منانے آئے تھے، گند، غلاطت کے لیے نہیں۔ میں شادی شدہ ہوں، مسلمان ہوں، کس نے کہا ہے تم سے کہ میں طلاق لے رہی ہوں۔“ وہ پھٹ پڑی تھی۔

”اچھا.....“ زری کی ہنسی نے اسے دم بخود کر دیا۔

”تم مسلمان ہو؟“ ٹوٹی نے اسے چھو۔

”یہ لباس، یہ حرکتیں، کھلی آزادی..... ثبوت دو مسلمان ہونے کا۔“ ٹوٹی نے طنز سے اس کے وجود پر نگاہ کی۔ وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے صوفے پر گر گئی۔

”زری.....“ وہ زور سے چیخی۔

”پلیز ٹوٹی، ہنومت ڈراؤ اسے، یہ کسی اور نیچر کی ہے۔“ زری نے لاڈ سے اسے کھینچ کر اپنے پیچھے کیا تھا اور شایان کے تن من میں تھنے تھنے کیڑے رینجنے لگے، اس کا ذہن شاک میں تھا۔

”وہ مسلمان ہے تو..... یہ.....“ اپنے لباس کی

جانب نگاہ کی جسم کے تمام خطوط کو نمایاں کرتا فننگ والا لباس..... دوپٹا..... ”وہ مسلمان تھی۔ اگر کھی تو اس کی جیا، اس کا تقدس، اس کی حرمت کہاں تھی۔ جس کی بیوی تھی اس کے پاس کیوں نہیں تھی۔ جس کی بیٹی تھی اس کی عزت کیوں نہیں تھی۔“

”شایان، مائنڈ مت کرنا ٹوٹی کی عادت ہے یونہی دوسروں کو خوفزدہ کر کے مذاق کرنے کی۔ بی ایزی کی، چلو انجوائے کریں۔“ زری نے باہر جاتے ٹوٹی اور ملکہ کو ملامت سے دیکھا۔

”زری.....!“ وہ سخت خوفزدہ تھی۔ ”چلو واپس.....“

”ارے اتنی جلدی، ابھی تو دوپہر ہے، شام ڈھلے نکلیں گے، ہم ڈر گئیں۔“

”نہیں.....“ وہ کھڑی ہوئی، اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔

آگہی کا اک لمحہ..... ایقان کا اک پل انسان کو بدلنے کے لیے کافی ہے اور وہ اک پل میں بدل گئی تھی، سر تاپا۔ اسے عباد یاد آ رہا تھا، اس نے کیا، کیا اس کے ساتھ، وہ ناراض ہے اسے منالے گی، مسلمان ہونے کا ثبوت دے گی۔ فون اک بار پھر بجا۔ سوچوں کے سمندر سے تڑپ کر سر اٹھایا۔

”ہیلو!“

”ہیلو۔“ شایان میں زری، کیا ہوا، فون کیوں رکھا بھی، غصہ تھو کو اور ناراضی ختم کرو۔ ہم سب تمہاری طرف آرہے ہیں، ٹوٹی شرمندہ ہے۔“ اس نے فون رکھ دیا۔

لائن کاٹ دی۔ بیرونی دنیا سے اس کا رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ صوفے کی پشت سے سر نکال دیا، کتنے آنسو رخسار پر بہہ نکلے۔ تنہائی، اکیلا پن اور اداسی ایک ساتھ اس کے قریب آ گئے۔

☆☆☆

”بیٹا بولا کر شایان، کتنے دن ہو گئے تم گھر سے باہر نہیں گئیں، اپنی سہیلیوں کو گھر بلا لو۔ یوں زندگی کیسے گزرے گی، عباد کو فون کر دو، جو ناراضی ہے اسے دور کرو، بیٹا شوہر ہے تمہارا، میاں بیوی کا رشتہ بیک وقت نازک

بھی ہوتا ہے اور مضبوط بھی۔ ناراضیاں تو ہر شے میں ہوتی ہیں، اسے ٹون کرو، آجائے گا۔“ آئی سارہ اس کے سر میں دھیرے دھیرے انگلیاں بھیر رہی تھیں، ساتھ ساتھ اسے سمجھا رہی تھیں، ”ایک دم سے وہ بدلتی تھی، ان کا چونکنا کا بھی لازمی تھا، وہ آنکھیں موند لیتی تھی۔“

”تمہارے بابا کا فون آیا تھا، اگلے ماہ آ رہے ہیں یہاں بچوں کے ساتھ ان کا ارادہ اب ادھر ہی رہنے کا ہے۔ تمہارا پوچھ رہے تھے، میں نے کہا تھا ادھر ہی ہے، عباد کسی کام سے شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔“ آئی سارہ مسلسل بول رہی تھیں، اطلاعات بہم پہنچا رہی تھیں۔ وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی، پھر بے بال شانوں کے گرد پھیل گئے۔

”نہ کچھ کھاتی ہونہ بولتی ہو، کیا ہوا ہے تمہیں، مجھے بتاؤ میں ہوں نہ تمہارے ساتھ۔“ ایک دم سے انہیں شایان سے ہمدردی ہونے لگی۔

”آئی.....“ کھٹنوں پر چہرہ نکلیا۔

”بولو بیٹا! انہوں نے پیار سے چکارا۔“

”اچھی لڑکی کون ہوتی ہے؟“ آنکھوں کی سطح بھیگی بلکہ اب بھیگی ہی رہتی تھی، عظیم نقصان..... کچھ کھونے کا احساس ارد گرد رہتا تھا۔

”شایان..... شایان اچھی لڑکی ہے، اتنی پیاری شکل کی۔“ اس کا چہرہ تھا۔

”نہیں آئی، اچھی لڑکی!“ وہ اپنا مطلب سمجھانہ پائی۔

”کہا نہ، تم..... تم سے اچھا، پیارا، نیک کوئی ہو سکتا ہے۔“ وہ اس کا منہ جان نہیں پاتی تھیں۔

”نیک.....“ وہ چونگی۔ ”نیک لڑکی کون ہوتی ہے؟“

”یہ کیا تم بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو بیٹا، خود کو سنبھالو، لاؤ میں فون کروں عباد کو..... تمہیں آکر لے جائے، جو ناراضی ہے دور کر دو تم لوگ، لڑکیاں اپنے گھر میں اچھی لگتی ہیں۔“ محبت سے ہاتھ تھام کر پیار سے رخسار چھوا۔

”عباد نے ایسا کہا کہ دیا جو تم نے اتنا اثر..... لے لیا، جانتی ہو پورے دس دن اسپتال میں رہ کر آئی ہو، شکل دیکھو کیا ہو گئی ہے، ہر وقت گم صدمہ رہتی ہو، اسے بلواؤں

میں.....؟“

”وہ نہیں آئیں گے۔“ پاؤں کی انگلی زور سے مٹلی۔

”کیوں.....“ آئی سارہ نے تکیے ابرو سے دیکھا۔

”میں اچھی لڑکی نہیں ہوں!“ آنکھوں سے گریاں تک آنسوؤں سے مالا پرولی۔

”ہائیں، یہ تم سے عباد نے کہا.....؟“

”نہیں۔“ وہ سسکی، دکھ چھپالیا، پردہ رکھ لیا۔ ”مجھے معلوم ہے، اچھی لڑکیاں گھر برادہ نہیں کرتیں، زبان درازی، چرب زبانی نہیں کرتیں، دلوں کو نہیں توڑتیں، شر نہیں پھیلاتیں۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، ”جھوٹ نہیں بولتیں، فتنہ فساد کی جڑ نہیں بوتیں، کیونہ پرور، حاسد اور منافق نہیں ہوتیں، جھگڑالو اور غیبت زدہ نہیں ہوتیں اور میں..... وہ بھل بھل رو رہی تھی۔ وہ بولتی چلی گئی، غبار نکلتا چلا گیا۔ سسکیاں آئیں، آنسو ساتھ ساتھ مجھوا احساس تھے۔

”میں بری ہوں، بہت بری، بہت بری..... عباد مجھ سے نفرت کرتے ہیں، نفرت، شدید نفرت۔“ وہ ملک بلک کر رو رہی تھی۔ اس کا دل پھٹ رہا تھا اور آئی سارہ گم صدم، چپ اس کی شکل دیکھے جا رہی تھیں۔

”میں مسلمان ہوں نہ ہندو، نہ انگریز۔“ بے ساختہ وہ آگے بڑھیں اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ بھی بچی کی طرح ان کے وجود میں سمٹ کر سسکیاں لینے لگی۔

☆☆☆

کتنا بھر پورا درمکمل منظر تھا۔ کھانے کی ٹیبل جی ہوئی تھی، بڑی بھابی اویس بھابی کو کھانا دے کر بچوں کو سرد کر رہی تھیں۔ راحمہ بھابی نو بچن کے منہ میں لقمہ ڈال کر دوسرے ہاتھ سے ٹیبل کو پانی دے رہی تھیں، ندا اور فیدہ کی بات پر مسکرا رہے تھے، رعنا بھابی ذتے واری سے بھی ساس اور بھی سر کو کبھی پوچھ رہی تھیں۔

عباد کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ کتنی نا کھمل اور تشنہ تھی اس کی ذات، کیا نہیں دیا شایان کو گھر اس نے بھی اسے گھر کا مکمل نہیں دیا، کبھی چائے نہیں پکوائی، کبھی.....!

”عباد ایسے ہی بیٹھے ہوئے ہو تم، کیا لو گے؟“ رعنا

بھابی اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”یہ کباب اور بلاؤ ڈال دیں۔“ اس نے اپنی خالی پلیٹ ان کی جانب بڑھائی۔ زبیدہ رحمن گاہے بگاہے اس کا جائزہ لے رہی تھیں، توجہ کے تمام راستوں پر وہی تھا۔

اس کا اکیلا پن، خالی انداز، آنکھوں میں چھپی محرومی اور..... حساسیت، کچھ بھی تو ان سے چھپا ہوا نہیں تھا۔

”زندگی ایسے کیسے گزرے گی، اب کوئی قسمی فیصلہ ہونا چاہیے۔“ اس اٹھا کر انہوں نے عباد کو دیکھا جو بسورتے ہوئے بیٹھے کو گود میں اٹھائے ہوئے اسے چکار رہا تھا، بھلا پھسلا رہا تھا، آسکریم کھلانے کا لالچ دے کر نوالے منہ میں ڈالنے لگا اور وہ بھی چاچو کی گود میں، ذرا ذرا کھانے لگا۔ کھانے پر سے عباد کی توجہ ہٹ گئی، اس کی پلیٹ جوں کی توں رکھی رہ گئی، کچھ دیر بعد وہ اٹھ گیا۔ اداسی زبیدہ رحمن کے اندر تک بھر گئی۔ ان کے سارے بچوں کی سی.....

پھر پورا مکمل زندگی جی اور وہ..... کمرے میں آ کر انہوں نے رحمن صاحب کو دیکھا۔

”آپ نے عباد کو دیکھا، اسے سمجھایا نہیں کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟“

”مجھنی زندگی اس کی ہے وہ بہتر فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔“

”کیسا فیصلہ اس نے کیا ہے، اکیلا، اداس ہے وہ، کچھ سوچیں اس کے لیے۔“

”کیا.....؟“ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ کر انہوں نے زور سے دیکھا۔

”اسے سمجھائیں، بیوی کو لے کر آئے۔“ زبیدہ نیلم نے نگاہ چرائی۔

”اب اگر وہ لانا نہ چاہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔“

اس وقت رعنا قبوہ لے کر آئیں، انہوں نے گفتگو کا آخری جملہ لیا۔

”میرا خیال ہے امی اس کی شادی کر دینی چاہیے دوسری۔“

”ہیں.....! زبیدہ رحمن تو اچھل پڑیں“ داغ ٹھیک ہے تمہارا!“

”جب امی عباد رکھنا ہی نہیں چاہتا اور نہ وہ بسنا

چاہتی ہے تو اس کا حل تو یہی ہے نا!“

”بات تو تمہاری ٹھیک ہے بڑی ہو گھر اس بارے میں بھی فیصلہ عباد ہی کرے گا۔“

”ضروری نہیں کہ فیصلہ دوسری شادی کا ہی ہو، دونوں کو بٹھا کر سمجھایا جا سکتا ہے، ہو سکتا ہے کہ شایان کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہو۔“

”ہونہ.....“ طنز سے سر جھٹکا۔ ”ویسے امی عباد کا فیصلہ سراسر غلط اور جذباتی تھا کیا ملا اسے اس شادی سے، گھر کا ماحول الگ خراب ہوا اور آپ نے اگر اسے لانا ہے تو کم سے کم میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی۔“ رعنا نے اپنا مطلب نکالا تھا، اپنا سراپا اپنا اوچی ہی رکھتی تھی۔ زبیدہ انہیں دیکھ کر نہیں..... اک اور خراب۔

”دیکھو بیٹا، ہمارے خاندان میں کبھی کسی کی طلاق نہیں ہوئی اور نہ دوسری شادی ہوئی ہے اور نہ میں چاہتی ہوں کہ یہ برا کام میرے گھر میں ہو، انہام سے اس مسئلے کو سلجھا لیتا ہی بہتر ہے، طلاق خدا کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ عمل ہے۔“

”اور عباد..... عباد کیا چاہتا ہے؟“ اک بار پھر عباد رعنا کو اپنے ہاتھ سے ٹکٹا ہوا محسوس ہوا۔

”اسے بلاؤ، ابھی پوچھ لیتے ہیں۔“ رحمن صاحب بھی اس مسئلے کو سلجھا لینا چاہتے تھے اور انھوں کو سلجھنا ہی چاہیے۔

”ابھی یا ہر نکلا ہے۔“ رعنا نیلم کے دل کو بے چینی لگ گئی۔ پہلے وہ عباد سے بات کر لیں اس کے بعد امی ابو کو کرنی چاہیے۔ اس رشتے کو ختم ہو جانا چاہیے۔ تفر سے شایان کے بارے میں سوچا۔

”شایان کے اندر تو صلاحیت ہی نہیں ہے گھر بسانے اور شوہر کو سنبھالنے کی، وہ تو کسی اور نسل کی لڑکی ہے۔ شر انگیز اور جھگڑالو۔ گھر میں اسے کوئی پسند نہیں کرتا، اس کے آنے سے اور بھی فتنے پیدا ہوں گے۔“ رعنا کا دوش بھر پور مخالفت لیے ہوئے تھا۔

”اور امی اسے گھر لانے کا مقصد ان تمام جھگڑوں کو پھر سے اٹھانا ہے جو اس کی غیر موجودگی میں ہو چکے ہیں۔“

”گھر عباد نہیں لے گا، بل کر بیٹھنے کی صلاحیت اس لڑکی

میں نہیں اور آپ چاہ رہی ہیں کہ یہ بیکل منڈھے چڑھے۔ رعنا بیگم نے خالی کپڑے میں ریگھے۔ بڑی بہو کے ناتے زبیدہ رحمن ان سے مشورے کرتی تھیں، آج وہ مشورہ دے رہی تھیں اور خوب دے رہی تھیں، بھرپور مخالفت کے ساتھ۔ کینہ پروری ان کے اندر بھی پیدا ہوئی تھی۔ کیا ہے اگر ذرا سی کوشش سے ان کی بہن کا نصیب کھل جائے۔ شادی شدہ ہے تو کیا ہوا۔ کون سا بچہ ہیں عباد کے۔ دزدیدہ نگاہ ساس پر ڈالی۔ رحمن صاحب اپنی رانگ چیئر پر بیٹھے دھیرے دھیرے ہلے گہری سوچ میں تھے۔

زبیدہ رحمن پاندان کھول رہی تھیں، فکر کے پروا کر کے رعنا نے ان کی جانب فکر کے پرندے رواں کر دیئے تھے۔

”سوچ سمجھ کر فیصلہ کیجیے گا امی ابو۔“ وہ ٹرے لے کر کھڑی ہو گئیں۔ ہمارے گھر کا ماحول اور اس کے انداز سب آپ کے سامنے ہیں، عباد نے تو غلطی کی سوکی، ہمیں کوئی اور غلطی نہیں کرنی چاہیے۔“ اک نگاہ ان پر ڈال کر وہ باہر نکل گئیں۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم ایک دوسرے کی جانب دیکھنے سے گریزاں تھے۔

☆☆☆

عباد سے بات کرنے کے لیے رات گئے تک رعنا لاؤنج میں بیٹھیں، ساڑھے بارہ بجے وہ آیا۔

”ارے آپ جاگ رہی ہیں؟“ عباد حیران ہوا۔

”ہاں تم سے بات کرنے کا موقع نہیں ملتا، صبح آفس شام میں غائب۔“

”کیسی کون سی بات ہے جو بہت ضروری ہے۔“ ہلکے پھلکے سے انداز میں کہتا وہ صوفے پر بیٹھا۔

”وین آن کیا اور بریوٹ ہاتھ میں تمام لیا۔“

”امی تمہاری بیوی کو گھر لانا چاہ رہی ہیں۔“

واشگاف انداز میں اس کے تاثرات جاننے کے لیے جملہ پھینکا۔

”کیوں۔۔۔۔۔“

”یہ تم امی سے پوچھو“ رعنا بیگم نے جواب دیا۔

”میں امی کو منع کر چکا ہوں کہ وہ اس گھر میں نہیں

آئے گی پھر کیوں۔۔۔۔۔“

”یہ بات میں امی کو سمجھا رہی ہوں مگر وہ بھند ہیں، ہم خود ہی جلد کوئی فیصلہ کرلو۔ ویسے بھی وہ اس قابل نہیں کہ یہاں آئے۔“ عباد کے جواب اور مستقل انداز نے انہیں بہت سکون دیا۔

”وہ میری زندگی سے نکل گئی ہے بس واجبی ساطلق ہے وہ کسی بھی لمحے ٹوٹ جائے گا۔“ وہ بریوٹ سے چینل سرچنگ کرنے لگا، اس کے چہرے پر تناؤ تھا۔ رعنا کا دل بلیوں اچھلنے لگانے میں چاہی مراد پوری ہونے لگی عباد کوٹھی میں کرنا چاہیے۔

”تو ذرا دیر تمہیں ڈر کیا اور کتنی خاندان کی بے عزتی اور جگ ہنسائی ہو گئے۔“ ساتھ ہی جھک کر کارپٹ سے اپنی گرانی ہوئی انگوٹھی اٹھانے لگیں۔ عباد نے چونک کر انہیں دیکھا۔ (یہ اتنا آسان تھا کیا)

”اور آئندہ سوچ سمجھ کر چلنا، گھر والوں کے فیصلے برے نہیں ہوتے، سوچ بچار، باہمی رضامندی پسندیدگی اور دعاؤں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ تم پہلے دھوکا کھا چکے۔۔۔۔۔ ان جیسی لڑکیاں محض وقت گزاری کے لیے ہوتی ہیں، باہر باہر کی دوستی، کتنی چاہے محبت کرو، لوگ ڈرا بیو پر جاؤ مگر شادی کے لیے خاندانی، پریمی لکھی، باشعور لڑکی کا انتخاب کرو، ایک گھر کی نہیں، اک نسل کی ذمہ داری اس پر ہوتی ہے، تمہاری وہ۔۔۔۔۔ تمہاری ذمہ داری نہیں اٹھا سکی تو باقی ماندہ زندگی۔۔۔۔۔“ عباد اک ٹک ان کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اور رعنا گروم ہے پر خوب چوٹ لگا رہی تھیں۔

”بچہ بناؤ اس نے کبھی نہیں کھانے کا پوچھا، صبح کبھی ناشتا دیا، بھی تمہیں کھانا سرد کیا، ٹیبل پر۔۔۔۔۔ وہ تو خود پرست اور خود پسند ہے، عباد مجھے تو حیرت ہوتی ہے تم نے کیا دیکھ کر پسند کیا۔“ قذیفہ ناسا دکر والو، شر پھیلا لو۔ ہونہار۔“ رعنا بیگم نے سر جھکا۔

عباد کھلی آنکھوں سے آئینہ دیکھ رہا تھا۔ کہہ تو وہ بچ رہی تھیں۔ لفظ بہ لفظ۔ کیا دیا تھا اس نے۔

”خیر عباد۔۔۔۔۔ وقت ابھی بھی نہیں گزرا اور نہ تمہاری عمر گزری ہے۔ اب انتخاب میرا ہوگا، سمجھ تم۔“ وہ کھڑی ہو گئیں۔ ”کھانا کھاؤ یا چائے“ وہ خیال و دھیان کے

راتوں سے گزر رہی تھیں۔

”کچھ نہیں؟“ اسکرین کی جانب رخ کیا ”رات بہت ہو گئی ہے اب سوؤں گا، صبح آفس جاتا ہے۔“ اک نگاہ عباد پر ڈال کر رعنا باہر نکل گئیں، جانے کیوں انہیں یقین تھا کہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا انہیں قاریہ کا مستقبل روشن نظر آ رہا تھا۔

☆☆☆

عباد ٹھہ کر اپنے کمرے میں آ گیا، سامنے ہی دیوار پر ڈرینگ ٹیبل کے برابر میں ان دونوں کے ویسے کی فل سائز شاندار تصویر لگی تھی چونہ چاہتے ہوئے بھی روزانہ اپنے ہونے کا احساس دلاتی تھی۔ وہ اس تصویر کے سامنے کھڑا ہو گیا، احساس محرومی سرائٹھانے لگا۔ سی گرین اور رائل بلو استراج کا عربک شرارہ میچنگ جیولری، سی گرین شہر اسٹہر امیک اپ، ہاتھوں میں بھر پوری چوڑیاں، جھکا جھکا شرمیلا سا انداز۔ اس کے ساتھ بیٹھا ذرا سا اس کی جانب جھکا عباد چہرے پر شوخ سی چمک، آنکھوں میں محبت کو پالنے کا غمار۔۔۔۔۔ تمام تصویروں میں یہ تصویر اسے بہت اچھی لگی تھی۔ نورانی ان لارنج کروا کر یہاں لگوائی تھی۔ کیسے گرم گرم، شوخ، شہر پر مجتوں بھرے دن تھے۔

”محبت۔۔۔۔۔“ اس کی آنکھوں کی سطح نم ہوئی ”محبت تو صرف مجھے تھی تم نے تو کی ہی نہیں خالم لڑکی، تم۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔“ سارے منظر نظروں کے سامنے سے گزرنے لگے، اس کے وجود سے اترتے نقاب، غصیلا انداز، کینہ اور بغض۔ ”جانے تمہارے اندلے تاشغور کیا کہناں سے بھرتا کبھی مجھے نظر نہیں آیا جو میں دھوکا کھا گیا بنا دینا اور درستی کے پردے ہٹا کر کھڑا ہوا۔ رات دھیرے دھیرے گہری ہو رہی تھی۔

”بعض اوقات محبت کے نام پر ہم کس طور لٹ جاتے ہیں، جذباتیت ہمیں کتنا نقصان پہنچا دیتی ہے۔ محبت بھی کیا چیز ہے۔ اس نے میرے کہنے پر پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔ نہ ادھر نوں کیا، ڈیڑھ دو ماہ کم نہیں ہوتے مپاں بیوی کی جدائی میں۔ اسے میری پروا ہی نہیں۔ پروا ہوئی تو میل فون اس کے پاس بھی تھا۔ میں کیا کچھ نہیں کہہ آیا تھا۔ باز پرس تو کرتی۔ گویا وہ بھی ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔

تو۔۔۔۔۔“ وہ دھیرے سے پلٹا اور چند قدم چل کر بالکونی میں نکل آیا۔

”محبت کھیل تھی۔“ دونوں ہاتھ ریٹنگ پر ٹکا کر باہر دیکھنے لگا۔ بستی رات کا سکوت، خاموش ہوا، ہر سواک جامد گہرا سناٹا۔

”تو۔۔۔۔۔ محبت کھیل تھی اور کھیل کا اختتام ہو ہی جاتا ہے وقت کے سمندر پر اس کھیل میں کون ہمارا۔۔۔۔۔“ صبح و شکست میں سے کس کا حصہ کس کو آیا۔ کون ہمارا۔۔۔۔۔ کون جیتا۔“ اپنے ہاتھوں کو گھسنے بالوں میں پھیرتے ہوئے ہاتھ گردن پر رکھ لیے۔ گہرا سانس سینے کی سرحدوں سے اٹھا اور ہونٹوں پر آ کر دم توڑ گیا۔

”یعنی جو کچھ میں نے کہا اس کو سننے میں تم حق بجانب تھیں اور تمہارا فیصلہ بھی وہی ہے جو وقت کی بساط پر تقدیر مجھ سے لکھوانے چاہ رہی ہے۔“ گردن سے ہاتھ اٹھا کر پھر سے گرل پر رکھ لیے، بے چینی، اضطراب اس کے روم میں سرایت کرتا چلا گیا۔ دل شکستی، دل آزاری کی اک اور شب اس کے ہمراہ تھی۔

☆☆☆

زبیدہ رحمن اس کے کمرے میں آ گئیں۔ وہ جو کٹن میں منہ چھپائے چھپی کے دن سونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا، آہٹ پر چونکا اور ماں کو دیکھ کر سیدھا ہو گیا۔

”سو تو نہیں رہے تھے۔“ اس کے سامنے بیٹھیں۔

”نہیں، سوچ رہا تھا باہر کا چکر لگالوں، کچھ ضروری چیزیں لانی ہیں۔“ اٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر اٹھے بالوں کو ہاتھ سے سنوارا۔

”تمہارے جانے کا کیا ہوا؟“ عباد چونک کر ماں کو دیکھنے لگا۔

”کام ہو گیا ہے میرا، اسپورٹ ہاتھ میں آئے تو سیٹ کفرم ہو جائے گی، میرا خیال ہے اگلے ہفتے کی کوئی سیٹ ہوگی۔“

”کتنے عرصے کا کورس ہے؟“

”میرا خیال ہے ایک ڈیڑھ سال کا۔“

”عباد، تم نے اپنی زندگی کے متعلق کیا سوچا ہے؟“

”جو سوچنا تھا سوچ لیا، کر لیا، بھگت لیا اب تو بس

زندگی گزر رہی ہے، غم روزگار اور غم زندگی کے ساتھ.....“
اس کا دھما سا انداز۔

”اور شایان..... اس کے متعلق کیا سوچا ہے؟“
”وہ میری زندگی کا رخ باب تھا جو میں نے کتاب زندگی سے پھاڑ دیا ہے۔“ وہ سنجیدہ تھا ”اور بات جب رسوائی، بدنامی کی ہو تو پھر ان راستوں پر نہیں جانا چاہیے، میں پیچھو، بھائی اور ناکہ سے شرمندہ ہوں امی، وہ اس گھر میں نہیں رہ سکتی، جاتے جاتے میں اسے پروا نہ آزادی تھا کر جاؤں گا، چکھ لے آزادی کا مزہ۔“ اس کے چہرے پر پھر پور نفرت تھی ”اور نہ وہ رہنا چاہتی ہے میرے ساتھ اس گھر میں۔“

”تو تمہیں کہا ہے ناکہ اسے الگ گھر.....“
”نہیں.....“ اس کا لہجہ ترخ گیا ”کیوں، کس لیے، کس بات کی کمی ہے یہاں، کون زیادتی کر رہا ہے۔ کس چیز کی روک ٹوک ہے اسے قیلے کی ضرورت ہے، آئینہ میں اسے دکھایا ہوں، خود سے یہاں آنے کی جرات نہیں کرے گی۔“ اس کے دجود میں غصہ بھر رہا تھا۔ محبت دکھ بن جائے تو انسان ایسے ہی زور درج ہو جاتا ہے۔

”عباد.....“ کافی دیر اس کوں کر خاموش رہنے کے بعد زبیدہ رگمن نے سراٹھایا ”میری ایک بات مانو گے؟“
”آپ کا حکم سر آکھوں پرا۔“

”اچھی بیوی کو لے آؤ۔“
”جی.....“ اس کے چودہ طبق ایک ساتھ روشن ہوئے ”یہ آپ کہہ رہی ہیں؟“

”ہاں جب میں چاہتی نہیں تھی تو تم نے اس کے حق میں دلائل دے کر مجھے قائل کر لیا۔ وہ اکیلی تنہا ہے، اس کی ذات میں بے حد خامیاں ہیں، وہ دل کی بری نہیں ہے مجھے یقین ہے آپ کو پسند آئے گی، آپ ملیں دیکھیں، وغیرہ وغیرہ.....“

”تو میں نے غلط کہا تھا امی۔“ عباد نے شرمندگی سے انہیں دیکھا۔

”انسان کی ذات میں خامیاں ہوں اور اسے کوئی تانے والا بھی نہ ہو تو سامنے والے کی اچھائی دیکھ کر انسان

کو اپنا آپ بدل لینا چاہیے، ناپسندیدگی کے باوجود اس گھر کے لوگوں نے اس کے ساتھ تعاون کیا، کبھی دی مگر اس نے کیا کیا، انسان کا جیسا خیر ہوتا ہے وہ ویسی ہی حرکتیں کرتا ہے، کتے کی دم بھی سیدھی نہیں ہو سکتی۔“ عباد نے سر جھکا، اس کے دلی تاثرات سن بھی رہی تھیں اور پڑھ بھی رہی تھیں چہرے پر۔

”میں نے ہر موڑ پر اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں۔ آپ الگ گھر کی بات کر رہی ہیں جس سے ایک کرا، ایک ہمارا یہ بیڈروم نہیں سنبھالا گیا وہ ایک گھر سنبھال سکتی ہے، کتنی صلاحیت ہے اس کے اندر آپ کو تو اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اس کے باوجود آپ کہہ رہی ہیں کہ اسے گھر لے آؤں۔“

”ہاں، میں کہہ رہی ہوں، اسے گھر لے آؤ، اسے کسی نے سمجھا اور نہ بھایا، تم نے بھی نہیں.....“
”جی.....“ عباد غائب دماغی سے انہیں دیکھنے لگا۔
”اس کی شخصیت کے شجر کو تربیت کے پانی اور توازن کے دھیان کی ضرورت ہے عباد، وہ بری نہیں ہے اس کے اندر کی برائیاں بری ہیں اسے پالش کی ضرورت ہے، تم کہتے تھے تھانی اسے آپ سمجھائیں تو اب میں اسے سمجھانا نہیں سکھانا چاہتی ہوں۔ گھر داری، اپنا پن، ذاتی ہم آہنگی اور زندگی کو برتنے کے طور طریقے، اصول و ضوابط اور شعار زندگی.....“

”امی.....“ عباد نے تجیر سے انہیں دیکھا۔
”اس کے باوجود اس نے خاندان بھر میں.....“

”ہاں اس کے باوجود، یقین کر دو میرے دل سے ٹھونپ نہیں ہوئی، بھولتی نہیں، روزانہ خواب میں آتی ہے، چپا اداس، بیمار، کمزور، میری طرف دیکھتی۔ میں جانتی ہوں اس کی تمہارے دل میں جگہ نہیں، اس کے باوجود عباد میں اسے تمہارے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں، ایک اچھی عورت کے روپ میں..... میں بلکہ مجھے یقین ہے کہ میں اسے بدل دوں گی۔“

”ام پائل وہ ایک ضدی، خود سر، تند اور شاطر لڑکی جس کے خیر میں توازن ہے ہی نہیں اور جو اپنی مرضی سے جینا چاہتی ہو وہ بھی نہیں بدل سکتی اور ویسے بھی وہ میرے

دل سے اتر چکی ہے اس گھر کا کوئی فرد اسے پسند نہیں کرتا تو اس قصے کو ختم ہی ہونے دیں۔“ اس کا حتمی انداز تھا۔

”ہاں اس سب کے باوجود کہ گھر میں اس کا نام سننا کوئی پسند نہیں کرتا اسے گھر لے آؤ، میری خاطر عباد.....“
”امی!“ وہ زچ ہو گیا ”دیکھتی ہوئی آگ سرد پڑ رہی ہے اسے بجھ جانے دیں، اسے تو کوئی فرق ہی نہیں پڑے گا کیونکہ وہ چاہتی بھی یہی ہے۔“ بیڈ سے اتر گیا۔

”بازار چلتا ہے آپ نے میں جا رہا ہوں، عباد نے بات ختم کرنی چاہی۔

”تم نے شاید میری بات پر غور نہیں کیا۔“
”امی غور و خوض کی ضرورت ہی نہیں، اس سوراخ میں ہاتھ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے جہاں سے ایک دفعہ سانپ نے ڈس لیا ہو جب میں راستہ بدل رہا ہوں تو پھر کسی کو کیا اعتراض ہے؟“

”تم دیے بھی باہر جا رہے ہو، کچھ عرصے کے لیے ہی سہی۔ اسے میرے پاس چھوڑ جاؤ میری تسلی کے لیے۔“
”امی.....“ وہ زچ ہونے لگا ”وہ خود آتا ہی نہ چاہے تو۔“

”اسے جا کر لے آؤ۔“ ان کی زبانی منطق تھی۔ اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ اسے امی کی ضد سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہاں تو لا تعلق تھیں اور اب کہاں، وہ تعلق جوڑنے کی انتہا کر رہی تھیں۔ کیوں وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

”امی.....“ کھڑے ہو کر ان کی جانب رخ کیا، اس کے عقب میں دیوار میں لگی ان کی لارج تصویر میں شایان کا روپ نمایاں ہو رہا تھا۔

”آپ کیوں چاہ رہی ہیں کہ.....؟“
”عباد.....“ انہوں نے بات کاٹ دی ”تمہیں میرے چاہنے کی پروا ہے کہ میں کیوں چاہ رہی ہوں جاؤ جو دل چاہے کرو۔“ ٹھٹھکی سے اسے دیکھتی ناراضی سے اٹھ کر چلی گئیں۔ عباد کھڑا کھڑا انہیں دیکھتا رہ گیا۔

اس وقت وہ دو متضاد خیالات کا شکار ہونے لگا اس کا ارادہ قطعاً بھی شایان کو گھر لانے، اسے بسانے اور اس سے محبت کرنے کا نہیں تھا، ایک دم ہی وہ شایان سے

بدل ہو گیا تھا۔ محبت کے اظہار پر محبت نہ ملے تو محبت ختم بھی ہو جاتی ہے، شایان نے اس سے محبت نہیں کی تھی، شادی کی تھی، شادی تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے، محبت نصیب سے ہوتی ہے پھر محبت کے بغیر جی لینے کا کیا فائدہ۔ کر لینے دو من مانی مگر..... منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رخ پھیرا، سامنے ہی پری بیک تھی۔

”تم اسے لے آؤ میری خاطر.....“ پیچھے امی کھڑی تھیں۔

”امی جب میں ہی اسے بسانا نہیں چاہ رہا تو.....“
وہ بے اختیار پلٹا، مگر اخالی تھا۔

”آف.....“ وہ دوبارہ بستر پر بیٹھ گیا۔ امی کی ناراضی، گھر والوں کا رویہ، خاندان والوں کی ناپسندیدگی اور اس کا دل۔ اس چپقلش میں وہ الجھ رہا تھا۔ کیا کرے کیا نہ کرے۔ اپنے آپ سے الجھتا وہ ہاتھ روم میں ٹھس گیا۔

☆☆☆

سارا دن وہ جل جل بن پھلی کی طرح پورے محل جیسے گھر میں بولائی بولائی پھرتی، ایک خوف دامن گیر رہتا۔ آہٹ، ایک دھڑکا، ڈور تیل کی آواز، فون تیل، اسے ڈراتی رہتی اب..... کہ اب عباد کی طرف سے ملا پروا نہ آزادی آئی رجشٹی، آ یا فون۔ یہ احساس ہی سو مان روح تھا کہ عباد اسے چھوڑ سکتا ہے، روح ایک اذیت مسلسل میں رہنے لگی تھی۔ اتنا حوصلہ ہی نہیں تھا کہ گھر فون کر لیتی کس سے بات کرتی، امی، بھائی، ندا بھائی کون اس کا ساتھ دیتا۔ کون عباد کو سمجھاتا۔ اس نے کسی کے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا۔ سب دل سے چاہتے ہوں گے اس سے چھٹکارہ مل جائے۔ کون تھا اس کا۔

ٹھنڈی سنگی سیرھیوں پر بیٹھ کر، تھیلیوں کی اوک میں چہرہ تمام کر دو خالی خالی نظروں سے ہرے بھرے سر سبز لان، انار، آم اور جاسن کے درخت کو چپقلی کی باز اور نرم و نازک سامنے کی دیوار پر چڑھتی بیلیوں کو دیکھتے، دیکھتے آنکھوں میں آنسو بھر جاتے۔ دوست سہیلیاں جنہوں نے اسے کہیں کان نہیں رکھا جن کے کہنے پر اس نے اپنی زندگی تباہ کر لی۔

”ابو.....!“ دھیرے سے چہرہ گھٹنوں پر رکھ کر انگلی

سے بے بس سبز عیوں کی طرح کو چھوڑا۔ جنہوں نے بے دریغ پیسہ دیا، کھلی آزادی دی، کہیں کوئی سر نہ چھوڑی۔ ”کاش، آپ مجھے اچھے برے کی تمیز بھی سکھادیتے۔ زندگی کے اچھے برے دنوں کی سہمی آئی سارہ کو آگے بھاگنے، کچھ جاننے کے چکر میں بھی اہمیت ہی نہیں دی۔ عباد جس نے ٹوٹ کر محبت کی ادویں لے لیں، مچتی رہی، اسے درخور اعتنا ہی نہیں جانتی تھی۔ مجھے محبت کرنا ہی نہیں آئی۔ نہیں!“ آنکھ سے بہتے آنسوؤں کو محسوس کر کے انہیں پہنچے دیا۔ اسے تو کسی سے محبت ہی نہیں تھی، محبت تو انسان کو کیا بنا دیتی ہے اور اب جب محبت نے اس کے وجود میں قیام کر لیا تو وہ اسے چھوڑ کر جا رہا تھا۔

”نہیں!“ مینے میں بے چینی کے بھنور اٹھے۔ وہ بے ساختہ اٹھی اور لان میں اتر گئی آنسو کی دھند نے ہر چیز دھندلا دی۔ اوائل محبت کی بے چینی اس کے روم روم میں سرایت کر گئی۔

”عباد، نہیں عباد نہیں، مجھے چھوڑنا مت۔ مجھے.....“ وہ ڈر ڈھکی آنسو لگا کر گئی۔

ڈھلتے دن کے اس پار وہ اکیلی تنہا، سر سبز گھاس پر بیٹھی بے حال، مجرد دل لیے بھل بھل رہی تھی۔ کاسرہ دل میں محبت نہ ہو کھودینے کا احساس ہو، احساس زیاں ہو تو یوں اس طرح ہی ہوتا ہے۔ آنٹی سارہ نے یوں بے گل و بے قرار دیکھا تو اس کے فریب جا کر اسے اٹھایا، سنبھالا، اپنے ساتھ لگایا۔ دھکے دل پر کئی روشنی کے پھاہے رکھے۔

”میں تمہاری ماں نہیں ہوں، تمہاری ماں جیسی تو ہوں نا، بچپن سے تمہارے ساتھ ہوں تم نے بھی مجھے سمجھا ہی نہیں، بتاؤ مجھے کیوں روتی ہو، کیا ہوا ہے.....؟“

”آئی..... آئی۔“ شایان ان سے لپٹ گئی۔

”میں بہت بری ہوں، بہت بری۔“ وہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔ ”مجھے اچھی لڑکی بنا دیں، بہت اچھی..... جو عباد کے دل کو اچھی لگے جو عباد کی محبت پھر سے حاصل کر لے، عباد اپنا فیصلہ بدل لے۔“

”ہیں..... کیا فیصلہ؟ اس کو سامنے کیا۔“

”عباد مجھے طلاق دے رہے ہیں۔“ بمشکل کہا۔

”کیا!“ وہ ہکا بکا کرہ گئیں۔ ”کیوں.....؟“

”میں بری ہوں، بہت بری، گندی، آزاد خیال، بدتمیز، جاہل، مجھے..... مجھے.....“ وہ کہتے کہتے دونوں ہاتھ منہ پر رکھے۔ ایک ہا پر ہر سسک اٹھی ”میرا اخلاق، میرے اعمال۔“

”خود کو سنبھالو شایان، ایسا کچھ نہیں ہوگا میں بات کرتی ہوں عباد سے۔ اس کے گھر والوں سے تم خود کو تو سنبھالو۔“ آنٹی سارہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”اس کے گھر والے.....“ شایان نے چہرہ اٹھایا ”میں نے تو اس کے گھر والوں سے بہت برا سلوک کیا، کسی کی عزت نہیں کی، کسی کو کچھ سمجھا نہیں، کسی کا ادب احترام نہیں کیا، دوسروں کے دل برے کیے۔“ آنٹی سارہ چپ اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

”تم نے کیوں کیا ایسا؟“

”وہ وہ زری، غزل میری فریڈ زکبتی تھیں تمہارے سر پرال میں بہت زیادہ افراد ہیں، ہر وقت ان کی خدمت کرنی رہو گی۔ تم امیر باپ کی اولاد، کیا غلامی کرو گی۔“ چند ٹائپے کو ایک گہرا سانس لے کر حواس کو کنٹرول میں کیا، دوڑا تو بیٹھی آنسو کرتے آج اس نے سب کچھ کہہ دیا۔ سارہ تاسف، ملال دکھ اور ہمدردی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

”جو لوگ دوسروں کے کہے میں چلتے ہیں، دوسروں کے دماغ سے سوچتے ہیں وہ لوگ یونہی اپنا گھر تباہ کر لیتے ہیں، مجھے تمہاری وہ دوستیں بھی اچھی نہیں لگیں۔“ انہوں نے دھیرے سے اسے اٹھایا اور اپنے ساتھ لاؤنج میں لے آئیں، اس کے آنسو ختم کئے تھے، سسکیاں جاری تھیں۔ مپانی پلایا بالوں کو سنوئرا، برے دوستوں کی محبت انسان کو برا بنا دیتی ہے۔

”تم نے اتنا بھی نہیں سوچا بچے کہ تم بچپن سے اکیلی اور تنہا ہو، اس گھر کے درو دیوار میں کتنا سنا ہے، باپ کو پیسے بھیجنے سے غرض ہے، ماں تمہاری بچپن میں مر گئی، رشتے دار جو ہیں وہ دوسرے شہروں میں۔“ انہیں تو رشتے محبت کے بغیر میں گندھ کر لے تھے۔ ”شایان چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

”ماں، محبت کرنے والا، پیار کرنے والا شوہر، بہن

بھائیوں کی رفاقت، مجھے تو کبھی ان میں عیب نظر نہیں آیا، محبت، احترام، تم نے یہ کیا کیا۔“ حلقی سے اسے دیکھا ”ماں لڑکی۔“ شایان نے سر جھکا لیا۔ آنسو پھر سے آنکھوں میں بھرنے لگے۔

”تم کسی تعلیم یافتہ نہیں،“ پھر انہیں خیال آیا۔ تعلیم کے ساتھ شخصیت کی تعمیر میں تربیت کا پانی نہ ہو تو شخصیت ٹکھری ہے اور نہ سنورنی ہے اس کی تربیت کون کرتا، انہیں تو کبھی ماں سمجھائی نہیں تھا۔

”تم خود کو سنبھالو بیٹا، رو رو کر ہلکان مت ہو، میں عباد کی والدہ سے بات کرتی ہوں، بچوں سے غلطیاں ہوتی ہی ہیں، ایک موقع سنبھلنے کا ضرور ملنا چاہیے بچوں کو۔“ محبت سے اسے ساتھ لگایا، ذرا سا اطمینان اس کے قلب میں پھیلا۔

”اگر انہوں نے کوئی بات نہ کہی تو.....؟“ بے چینی پاؤں سپارے تھی۔

”بات جب بڑوں کے درمیان ہو تو ضرور سنی جاتی ہے۔“ دھیرے سے اسے تحکا۔

☆☆☆

عباد اپنے ابو رحمن صاحب کے آفس میں، ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھا نظروں کو ٹوٹ رہا تھا۔ ایک ہی سہارا تھا جن سے بات چیت یا مشورہ کر سکتا تھا، باقی تو سب اس سے شاک تھے۔ رعنا بھابی کا مشورہ چھوڑ دو۔ امی کا کہنا لے کر آؤ اسے۔ خود اس کا دل..... چھوڑ دے گا ایسی فضول سی لڑکی، فضول سی محبت کو جس میں طریقہ سلیقہ نہ ہو، واقعی شکل کی محبت جھک ہنسی میں مبتلا کرتی ہے۔ امی کا دل راضی کرنے کے لیے چھوڑ رہا تھا۔ امی پھر بھی ناراض تھیں کہ اسے لے کر آؤ اور وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پارہا تھا۔ ”گھر میں پھر وہی چیخاں، ناراضی، جھگڑے رہیں گے تو کیا فائدہ؟ بہت دیر خاموش دیکھ کر اس کے تاثرات ٹوٹ کر کے خود ہی اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

”پھر کب جا رہے ہو؟“

”بہتے کو۔“

”اچھا، پھر کیا سوچا تم نے، اپنے گھر کے لیے؟“ ابو

کے ہلکے ہلکے لہجے پر وہ چونکا۔

”ابو.....“ اس نے گہرا سانس لیا ”کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

”کیا.....؟“

”کیا کروں، میرا فیصلہ تھا شادی کرنے کا، میں ہی اب بے پیمان ہوں، واقعی میرا فیصلہ غلط تھا، میں اسے طلاق دے رہا ہوں تاکہ ناراض دلوں کو منانا ہو..... مگر امی کہہ رہی ہیں اسے لے کر آؤ۔“ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں الجھا تا وہ بے گل تھا۔

”اور تم..... تم کیا کہتے ہو؟“

”ابو اس کا رد عمل اس کا اخلاق، اس کے جھگڑے، نیچر، عادات سب آپ کے سامنے ہیں میں الگ گھر نہیں لے سکتا پھر وہی جھگڑے فساد ہوں گے۔ اس سے بہتر ہے اب یہ معاملہ ختم ہو جائے۔ آپ امی کو سمجھائیے۔“ دل کی ساری باتیں وہ باپ سے کہتا جا رہا تھا۔

”وہ تم سے ہی نہیں مجھ سے بھی ناراض ہے کہ میں تمہیں سمجھاؤں کہ اسے لے کر آؤ۔“ عباد ان کی شکل دیکھنے لگا۔ ”اور تم اسے لے آؤ۔“

”ابو.....!“ وہ سارا مسئلہ جان کر بھی یہ کہہ رہے تھے، وہ ہکا بکا کرہ گیا۔

”غلطیاں انسانوں سے ہوتی ہیں اور انسان ہی اسے معاف کر دیتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ بدل گئی ہو۔“ ”اور اگر وہ نہ بدلی تو..... کبھی سرشت بھی بدلتی ہے، خمیر بھی کبھی چینی ہوتا ہے۔“

”ویسے بھی تم جارے ہو، اجنبی ماں کی بات مان لو۔ اسے یہاں چھوڑ جاؤ، جھجھک لگی تو ٹھیک ورنہ..... پھر ہم خود تمہارا ساتھ دیں گے۔“

”ابو.....!“ وہ کسمسا کرہ گیا ”اور بھابی، بھابی کی جو اتنی بے عزتی ہوئی ہے، وہ تو کتنی ہیں اگر شایان اس گھر میں آئی تو وہ نہیں رہیں گی۔“

”اس کا فیصلہ میں کروں گا کہ کون رہے گا کون نہیں، میں تمہاری ماں کو دھکی نہیں دیکھ سکتا، ویسے بھی تم نے انہیں بہت ہرٹ کیا ہے اس نے کچھ سوچ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے تو اس کی ماں لو۔“ وہ پھر الجھ کر رہ گیا۔

”بہتے کو تم جارے ہو، مجھے کو اسے ادھر چھوڑ جاؤ۔“

رحمن صاحب نے عباد کی مشکل آسان کی۔ عباد انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

”قسمت مہربان ہو رہی ہے یا ایک اور گھاؤ لگنا چاہتی ہے یا پھر..... یا پھر“ بالوں میں انگلیاں پھنسا لیں۔

رحمن صاحب فائل دیکھنے لگے۔

”ایک فیصلہ ہم ماں باپ کا بھی مان لو جتنا سوچو گے اتنا ہی الجھو گے صاحبزادے، یہ چاہئے لی، اس کے بعد بازار جا کر کچھ شاپنگ کرو جانے کے لئے، تم کون سا ادھر ہو گے۔ یہاں لکھوں کی خبر نہیں ہوتی کب کیا ہو جائے تم تو پھر سال ڈیڑھ سال بعد آؤ گے، ہو سکتا ہے سب کچھ بدل چکا ہو یا پھر.....“ چونک کر کب اٹھاتے اٹھاتے دیکھا۔ وہ ہنس رہے تھے۔ وہ بھی بے مٹی پھینکی سی ہنس دیا۔ وقت کی بساط پر جانے اس کی قسمت میں کیا رقم تھا۔ سوچ بچار کے بغیر کیے ہوئے جذباتی فیصلے ہمیشہ ہی مڑلاتے ہیں۔

☆☆☆

فون کی بیل پر شایان پڑ پڑا کر اٹھی اور سرعت سے بھاگ کر فون لے اٹھا۔

”ہیلو، شینی کیسی ہو، کہاں ہو بھی، تمہارے بغیر تو ساری محفلیں، پینک پارٹیز ادھوری ہیں۔“ اس کے جذباتوں پر اس نے گئی، دوسری جانب زری تھی۔ اس کا حلق کڑوا ہونے لگا۔

”بولو، کہاں ہو تم، فون ہی نہیں اٹھاتیں میں سمجھی کہ سسرال چلی گئی ہو، کیا کرتا ہے ایسے دقاوسی لوگوں میں جا کر، طلاق لے لو عباد سے۔ سچ کہتے لوگ تمہاری محبت میں مر رہے ہیں۔ میں آ رہی ہوں تمہاری طرف، ٹوٹی کے ساتھ۔“ اس کی حسیات الٹ ہو گئیں۔

”کیوں..... کیوں.....؟“

”بھئی ملنے، اتنے دن ہو گئے ہیں تم سے ملے ہوئے پینک پر جا رہے ہیں سچ پر۔ اس کے بعد پروگرام ہے، لاہور چلنا ہے تمہارا انٹ لے لیا ہے، کلب میں ایک شاندار پارٹی ہے، تمہیں خبر ہے مگر تم تو کلب بھی نہیں آ رہی ہو، میں بھی مصروف ہی آ نہ سکی۔ میں نے ماڈلنگ شروع کر دی ہے نا، تم نے میرا ایڈ دیکھا ہوگا کیبل پر۔

آ کر بات کرتی ہوں، ٹوٹی گاڑی میں ہے۔“

”زری..... زری ابھی گھر مت آنا، ابو آئے ہوئے ہیں میں فی الحال نہیں جاسکتی۔ اچھا خدا حافظ۔“ جلدی سے کہہ کر فون رکھ دیا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی، گویا بہت دور سے بھاگتی ہوئی آ رہی ہو۔ دھم سے صوفے پر گر کر، تیزی سے دھڑکتے سینے پر ہاتھ رکھا۔

آئی نے کہا تھا اگر تمہیں ابھی لڑکی بننا ہے تو سب سے پہلے اپنی ان تمام دوستوں کو چھوڑنا ہوگا، ان جیسی لڑکیاں نہ رہتی ہیں اور نہ بسنے دیتی ہیں، یہ آزادیتیاں آزادی کی مٹلاشی بھر پور فائدہ اٹھاتی ہیں۔ آج کل وہ شایان کو اچھی باتوں کا درس دے رہی تھیں۔ اور اس تدریس سے اسے بہت فائدہ ہوا تھا۔ دل کو سکون ملا تھا۔

آئی سارہ سے ہی وہ آج کل از سر نو قرآن پڑھ رہی تھی، نماز سکھ رہی تھی، وہ تو نام کی مسلمان تھی بس..... اس نے تو بھی نماز نہیں پڑھی تھی، بچپن کا پڑھا ایک دفعہ کا قرآن بھول گئی تھی۔ کیبل کے تمام واہیات، فضول نمبر پٹنا دیئے تھے، اخلاق باختہ مودی، ڈراموں اور دوسری چیزوں نے اس کا دماغ خراب کیا تھا۔ اب صرف قرأت، نعت خوانی کے نمبر کیبل پر لگاتی تھی۔ جن کو سن کر ایک نئی لڑکی اس کے وجود میں جنم لے رہی تھی۔ دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر ٹیلی ڈون آن کر لیا۔

”انسان دوستی کا ایک تقاضا حسن ظن بھی ہے، انسان دوسرے انسانوں کے بارے میں نیک گمان رکھے، بدگمانی، بدگوئی انسانوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرتی ہے، نیک گمان رکھنے سے بے شمار دشمنوں سے نجات ملتی ہے، ہمارے حضور نے اسے ”عبادت“ قرار دیا ہے۔

”انسان کی زندگی بے حد مختصر ہے صاحبو، اس لیے ہمیں ایسے اوصاف اپنانے چاہئیں جن پر چل کر ہم فلاح پائیں اور لوگوں میں مقبول و معروف ہوں۔ حضور کا فرمان ہے روزِ محشر ترازو ایمان میں جو چیزیں رہی جائیں گی اس میں حسن اخلاق سے زیادہ ہماری چیز کوئی اور نہیں۔ جس نے اپنے اخلاق کو اچھا بنالیا اس نے بہشت کے اوپر والے حصے میں اپنا گھر بنالیا، اچھے اخلاق کا مالک اللہ کا

دوست ہے۔“ وہ صوفے پر بیٹھی۔ سائیکس نظروں سے ٹپٹی ویژن کی اسکرین کو دھم دیکھ رہی تھی۔ وہ اندر تک کانپ گئی۔ اس کا اخلاق، اس کا ایمان، اس کے اعمال، اس کی مٹھیاں سمجھ گئی، وہ ایمان کی کس منزل پر ہے۔

آئی سارہ اندر آ گئیں۔

”اخلاق کو دو حصوں میں بانٹا گیا ہے، ایک فضائل اخلاق اور دوسرے رذائل اخلاق۔ فضائل اخلاق وہ عادات طور طریقے ہیں جو انسانیت کے لیے مفید ہیں لہذا پسندیدہ ہیں۔ رذائل اخلاق وہ عادات اور طور طریقے جو انسانوں کے لیے مضر ہیں، ناپسندیدہ ہیں۔“ پروگرام ختم ہو گیا۔ وہ سائیکس سی سن رہی تھی، اپنی ساری زندگی اس کے سامنے تھی اس کے اخلاق، رذائل ہی رذائل ناپسندیدہ..... اسے تو کوئی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی آنکھیں بھرنے لگیں۔

آئی سارہ نے محبت سے ہاتھ تھام لیا۔ اشک رخساروں پر ڈھلک گئے۔

☆☆☆

عباد کمرے میں داخل ہوا۔ زبیدہ رحمن نے اسے دیکھا تو ٹھٹھکی کے طور پر منہ پھیر لیا، دھیرے سے ان کے سامنے آ کر دوڑا ہوا۔

”ناراض ہیں؟“ عباد نے ان کے ہاتھ تھام لیے..... جو انہوں نے شامی سے انداز میں جھٹکے، عباد نے پھر تھام لیے۔

”بہت ناراض ہیں نا، میں جانتا ہوں مگر میں کیا کروں وہ میرے دل و ظفر سے اتر چکی ہے، مجھے اچھی نہیں لگتی اب..... مگر آپ کے صرف آپ کے لیے میں کل اسے لے آؤں گا۔ طلاق کے پیچھے میں نے بھاڑ دیے ہیں۔ اس کے بعد نتائج کی ذمہ دار آپ ہوں گی۔“ وہ عباد کو دیکھنے لگیں۔

”کسی کی شکایت، شکوہ میں نہیں سنوں گا یہ آپ کا فیصلہ ہے، رعنا بھائی کو آپ نے ہی منانا ہے۔“

”وہ میرا ہے مجھے تو صرف اسے تراشا ہے، اس نے مجھے کچھ نہیں کہا مگر میرا دل..... جانے کیوں اسے اپنے

سامنے دیکھنا چاہتا ہے۔“

”آپ کی خواہش، آپ کے لیے پوری کر رہا ہوں۔“

”بہت شکر یہ تمہارا بیٹا! زبیدہ رحمن کو غصہ آ گیا“

”قصور تمہارا تھا اس کا نہیں، اسے تمہیں اس گھر کے طور طریقوں سے آشنا کرانا چاہیے تھا اگر انسان سمجھدار نہیں ہے تو اسے سمجھانا چاہیے۔“

”پینک میں نے کر لی ہے، کل عصر کے وقت میری فلائٹ ہے میں بج اسے لے آؤں گا..... اور.....“ اور دودھ کے گلاس لے کر آئی رعنا دروازے میں ٹھٹھکی گئیں ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کل عباد جا رہا تھا ان کے علم میں تھا۔ آج امی کے سامنے عباد کی دوسری شادی کے حوالے سے بات کرنے آئی تھیں مگر یہاں.....

”کس کو لے آؤ گے؟ کون آ رہا ہے؟“ خود کو نارمل کیا، آگے آئیں، ٹرے سرائیڈ پر رکھ کر اور ادھر ہی بیٹھ گئیں۔

”عباد جا رہا ہے کل اور شایان آ رہی ہے۔“ زبیدہ رحمن نے انہیں دیکھا۔

”جی.....“ تحیر سے دیکھا۔ ”کیوں آ رہی ہے وہ یہاں، کیا منہ لے کر..... امی میں نے کہہ دیا ہے میں نہیں رہوں گی اگر وہ آئی تو، آپ جانتی ہیں کہ...“ عباد اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”رعنا خود کو سنالو، اچھی یا بری وہ اس گھر کی بہو ہے، وہ آ رہی ہے تو تم سے تمام ناروا سلوک کی معافی مانگے گی، نہ صرف تم سے بلکہ سب سے اور آئندہ تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، تمہاری اہمیت مسلم ہے تمہیں اس گھر داری سے کوئی الگ نہیں کر رہا ہے اور نہ تم ایسا سوچنا۔“ رعنا اندر ہی اندر بل کھا کر رہ گئیں۔

”امی مگر.....“ کچھ تذبذب سے عباد کو دیکھا۔ عباد دوسری جانب متوجہ تھا، فاریہ، اس کا مستقبل، ان کی پلاننگ.....

”اگر انسان شرمندہ ہو تو ضروری نہیں ہے کہ اس کو سزا دی جائے، اب ایک بدلی ہوئی لڑکی ہوگی وہ۔“

”آپ کو کیسے پتا آپ سے ملی ہے وہ، فون آیا ہے اس کا کہ آکر مجھے لے جائیں بدو ماخ، آوارہ، ذلیل

”رعنا.....“ زبیدہ رحمن نے غصے سے دیکھا، عباد بھی گڑبڑا گیا ”ایک انسان کی غلطی کو اس کی غلطی کہو، پورے خاندان کا کیا قصور اور اس کے خاندان میں ہے کون، نہ ماں، نہ بہن بھائی، باپ ہے وہ اُقتی دور۔“

”ہو نہ ہو تنفر سے انہیں دیکھا، رعنا کو غصہ آ رہا تھا۔ فاریہ کو تو انہوں نے یقین دلایا تھا کہ عباد اس کا ہے، بس جلد ہی شایان سے چھٹکارا مل جائے تو پہلا رشتہ تمہارا ہی کروں گی..... مگر یہاں.....“

”امی، انسان کی تربیت میں جو کچھ حلول کر جائے وہ نکلتا نہیں، آپ دوبارہ گھر میں وہی بدظمی، اتری، آزاد خیالی دیکھنا چاہ رہی ہیں، مریم پچھو کا منہ بمشکل بند ہوا ہے اسے دیکھ کر..... تو۔“

”ہو.....“ انہوں نے ڈپٹ کر رعنا کو دیکھا ”یہ ہمارے مسئلے ہیں، ہم سنبھالیں گے، کہا نا تمہیں اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی، مت رابطہ رکھنا، وہ بھی ضابطے میں رہے گی۔“

”امی..... آخر آپ اسے لانا ہی کیوں چاہتی ہیں، کیا دے گی وہ بد زبان، بد اخلاق، بد نظر عورت۔“ ان کا اشتعال بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

”تم جاؤ یہاں سے۔“ انہیں غصہ آ گیا۔ غصے سے عباد کو دیکھتے وہ کمرے سے نکل گئیں۔ ماں سے نظر ملنے پر عباد نے سر جھکا لیا۔

”بعض اوقات زندگی میں کیے ہوئے فیصلے سوائے شرمندگی اور شرمندگی کے کچھ نہیں دے سکتے امی۔“ دھیرے سے کہا۔

”تم کچھ مت سوچو، کچھ نہیں ہوگا۔ ابھی میں ہوں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہاں جب واپس آؤ تو دل و نظر بدل کر آنا۔“ عباد انہیں دیکھتا رہا، پھر آگے بڑھا اور ان کی گود میں منہ چسپایا۔ کتنا برا تھا وہ۔ کتنی بری ہوتی ہے وہ اولاد جو ماں باپ کی نافرمانی کرتی ہے اور والدین پھر بھی ان کا بھلا سوچتے ہیں۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں، آنسو ماں کے دامن میں سمیٹ دئے۔

”مجھے، مجھے معاف کر دیجیے گا امی میں نے آپ کا

دل دکھایا، نافرمانی کی، میری وجہ سے جگ ہنسائی ہوئی، آپ یقین کریں میں واقعی اسے صرف اس وجہ سے اب رکھنا نہیں چاہتا..... مگر.....“ سر اٹھا کر ان کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے کہا۔ انہوں نے مسکرا کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

”اولاد جب غلطی تسلیم کرے تو غلطی کی نوعیت بدل جاتی ہے اور تم تو کنارے کی راہ پر چل پڑے ہو، میں ناراض نہیں ہوں، تمہارے فیصلے کو میں بہتر انداز میں بدل دوں گی۔“

..... وہ اس قابل ہی نہیں کہ بدلے اور اپنے انداز..... اک بار پھر ماں کی گود میں منہ چسپایا۔ کیا محو انگیز احساس وجود میں خوشبو بھر رہا تھا، وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔ ہونٹ دھیرے دھیرے مسکرا رہے تھے۔

☆☆☆

اس نے ریک سے کتاب اٹھائی اور پڑھنا شروع کی۔

”حسن اخلاق‘ کشادہ روی اختیار کرنے، خوب بھلائی کرنے اور دوسروں کے دل میں اپنی محبت پیدا کرنے کے لیے ایک کارگر نسخہ خوش خلقی ہے۔ مسکرا کر، ہمدردی سے، محبت سے بات کرنا، دوسروں کی عزت افزائی کرنا، تواضع اور انکساری سے پیش آنا۔ جن پر کچھ خرچ نہیں ہوتا مگر اللہ کی طرف سے اجر زیادہ دوسروں سے بھلائی سے پیش آنے میں تمام فضائل اخلاق آ جاتے ہیں۔ فضائل اخلاق انسان میں اوصاف حمیدہ پیدا کرتے ہیں جس میں احسان، ایثار، رحم دلی، شفقت، محبت، غصہ و درگزر، حسن معاملہ، عیب پوشی، حسن سخن، جبر و تحمل، تعزیت و عیادت ان اوصاف کو اپنا کر انسان ایک دوسرے سے نیکی کرنا اور باہمی الفت و محبت کو بڑھاتا ہے۔

”رذائل اخلاق انسان کی جڑوں کو کاٹ دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے انسان بچتا ہے، ان کی محفل سے گھبراتا ہے، بدی کی دوستی بھی بدنام کر دیتی ہے، رذائل اخلاق میں بغض، کینہ، حسد، جھگڑا، لگائے، نفیبت کرنا، بہتان، زبان درازی، طعنہ زنی، جھگڑا، لوہین، فخر و غرور، منافقت،

بدگمانی، غصہ اور چرب زبانی شامل ہے۔ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے، نیکر سے ہم آہم حاصل نہیں کر سکتے، خدا اپنے بندوں سے اس وجہ سے بھی خوش ہوتا ہے کہ اس کے بندے اس کے بندوں سے کس طرح پیش آتے ہیں۔“ اس کے ہاتھ سے کتاب گر گئی اور شایان کا دل کسی نے ٹھکی میں جکڑ لیا۔ وجود ایک بار پھر لیورنگ ہونے لگا۔ وہ تو خدا کے ناپسندیدہ بندوں میں شامل ہی۔ اس کا شوہر اس سے تنفر، سسرال والے تالاں، رشتے دار کتراتے تھے، آف! وہ کانپ گئی۔ اپنی زندگی میں کیسی فصل بونی آ رہی تھی، اس کے گرد و نیکر اور لکھنؤ تھے اور.....

”یا اللہ!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑے اور ہونٹوں سے لگا لیے ”مجھے معاف کر دے، میں نے تیرے بندوں کا دل دکھایا ہے، مجھے معاف کر دے۔“ اس کے اشک بہہ نکلے۔ آہٹ پر سر گھمایا تو آئی سارہ اس کے قریب آئیں۔

”میں کتنی بری ہوں نا آئی، میں نے کتنے لوگوں کا دل دکھایا ہے، عباد مجھ سے ناراض ہے اس لیے خدا نے مجھے بھٹکنے کی راہ پر ڈال دیا ہے۔“ وہ سسکی ”میں، میں ان سب کو مٹانا چاہتی ہوں آئی..... مگر کیسے..... کیسے..... میں مسلمان، بچی مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔“ وہ ان کے سینے سے لپٹ گئی۔ تم آنکھوں سے انہوں نے اسے اپنی آنکھوں میں بھر لیا۔

”بچے، جو سنبھلنا چاہے خدا اسے سیدھا راستہ بھی دکھا دیتا ہے، صحیح راہ کا تعین بھی کر دیتا ہے، بندہ اپنے گناہوں پر شرمسار ہو، سچے دل سے استغفار کر پڑھے۔“ دھیرے دھیرے اسے سمجھتے ہوئے وہ سمجھا رہی تھیں، گرم گرم آنسو اس کے دل پر گرتے، اسے آگئی دے رہے تھے۔

”آئی.....!“ بہت دیر بعد آنسو تھمتے تو اس نے سر اٹھایا ”میں عباد کو راضی کرنا چاہتی ہوں، انہیں مٹانا، معافی مانگنا چاہتی ہوں، خدا کہتا ہے جو مجھے راضی رکھتا ہے تو میرے بندوں کو راضی رکھتا ہوگا اور وہ..... وہ سب تو۔“

”وہ سب بھی راضی ہو جائیں گے۔“ دھیرے سے آنچل میں آنسو سینے ”میں نے تمہاری ساس کو فون کیا

”اوہ..... پھر.....“ بے اختیار ہاتھ تھامے، آنکھیں جھپکے لگیں۔

”جائے تم نے کیا، کیا ہے، عباد ناراض ہے بہت سخت، تمہیں انہیں فون کرنا چاہیے تھا، میں نے تمہاری طبیعت خرابی کا بتایا بل..... کل لینے آ رہا ہے عباد تمہیں۔“ ”کل.....!“ آنسوؤں بھرے چہرے سے مسکرائی ”آئی کل.....!“ بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ آنسو گرنے لگے۔

”ہاں کل۔“ انہوں نے شایان کا ہاتھ تھام لیا ”بیٹا سنبھلنے کے لیے ایک موقع خدا ضرور دیتا ہے تم ان سب کے دل جیت لینا، وہی تمہارا گھر ہے، دوسروں کو عزت و تکریم دو گی تو تمہیں عزت ملے گی۔ ایک بار پھر تمہیں گھر داری سنبھالنے کا موقع مل رہا ہے، وہ سب غلطیاں، کوتاہیاں مت کرنا جو تم دوسروں کے کہے میں آ کر کر چکی ہو۔ شایان، سسرال اور شوہر کو سنبھالنے کے لیے انسان کو صرف اپنے دماغ، معاملہ فہمی اور سسرال والوں کے طور طریقے اپنا کر سوچنا چاہیے، دوسروں کے کہے میں آ کر صرف گھر اجڑتے ہیں، برے دوست بدترین دشمن ہو جاتے ہیں، فہم و فراست سے ہمیں ان کا انتخاب کرنا چاہیے۔“ وہ مردباری سے سمجھا رہی تھیں اور شایان سر جھکائے فرمانبر داری سے سن اور سمجھ رہی تھی۔ دھیرے دھیرے بے قراری سے ہاتھوں کو میل رہی تھی۔ (آج سے پہلے ایسا ایقان اور آگئی حاصل کب ہوئی تھی کب کسی نے اس طور سمجھایا تھا) مسکرا کر سر اٹھایا۔ خدا جب معاف کر دے تو خود بخود راستے ہموار ہو جاتے ہیں، آگئی کے درکھل جاتے ہیں۔

”انٹھو تیاری کرو اور سنو ہو سکتے تو عباد کو فون کرلو۔“ ”ہیں..... میں۔“ اس کا چہرہ بلیں ہونے لگا ”وہ تو ناراض.....“

”نہیں، مان گیا ہے تو لینے آ رہا ہے نا؟“ انہوں نے شایان کے چپٹ لگائی۔

”اوہ.....!“ اس کے اندر سر خوشی سی اترنے لگی۔ عباد کے لیے بھر پور محبت اس کے روم روم سے پھوٹ

پڑی۔ اس کا وجود گنگنا اٹھا۔ دھیرے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ کر اور تجھ شکر بجالائی، خدا نے اتنی جلدی اس کی کوتاہیوں کو معاف کر دیا۔

بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، بندہ شرمندہ تو ہوا اور وہ شرمندہ تھی۔

☆☆☆

”آئی.....“ کچھ دیر بعد وہ پھر ان کے سامنے تھی۔

”کیا ہوا بیٹا.....؟“

”آئی میں نے بازار جانا ہے، میرے پاس تو کوئی کپڑا ہی نہیں وارڈروب میں تو سب چیز، لی شرت کرتے اور خراب کپڑے ہیں، اب میں وہ سب تو نہیں پہن سکتی نا۔“ مصومیت سے انہیں دیکھا ”صبح تو وہ آجائیں گے۔“ سر جھکایا۔

”چلو.....!“ وہ مسکرا دیں۔ شایان نے مسکرا کر سر اٹھایا، نئے نوے جڈوں نے اسے ایک نئی خوشی سے ہلکا کر دیا تھا۔

ساری رات سوئے جاتے، خواب بنتے گزری، وہ کیسے عباد کا سامنا کرے گی۔ آف..... ملن کا سوچ کر ہی اسے اک نیا سرور سامعوس ہوتا۔ وہ مان گئے ہیں تو لینے آ رہے ہیں، وہ کون سا جوڑا پہنے، سرخ، ہنر، سفید، دھانی یا کاسی۔

سارے ریڈی میڈ سوٹ بھیلالے تھے۔ اس نے کاسی سوٹ اٹھالیا، چوڑی دار پانچائے کے ساتھ، بڑا سا دو پٹا تھا۔ انریکٹ فل، عباد کا پسندیدہ مگر..... اس کی آنکھیں جھپکے لگیں۔ نگاہ سرخ سوٹ پر پڑی، کل وہ گھر میں یہ سوٹ پہن لے گی۔ اس سوٹ پر ہاتھ پھیرا۔ دل نئے جڈوں سے بھرے لگا۔

ایک نئی روشنی کی نئی تیرگی اس کے ہر اعضاء کو گویا نیا جنم ہوا ہو۔ چاہتے ہوئے بھی اس نے عباد کو کون نہیں کیا، سب..... سب کچھ کل کرے گی، معافی، معذرت، عطا کی..... اس کے لب مسکرا اٹھے اور سب کچھ جو عباد کہیں گے۔ مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔ تقدیر..... اس کی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی مسکان گہری کرتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

صبح دم اٹھ کر اس نے آئی کے ساتھ مل کر فجر پڑھی، پھر انہوں نے اس سے قرآن کا اگلا سبق سنا۔ اس کے اندر سرخوشی اور مسرت کے دینے روشن تھے۔ وہ لان میں آ گئی۔ پھولوں کے چہرے شبنم سے ڈھکے ہوئے تھے، ہنر گھاس گیلی ہو رہی تھی، نرم خور، سبک ہواؤں نے اس کو صبح بخیر کہا۔

گلاب اور سفید چپاچن کر اس نے گلدستہ بنا کر لان کی ہی ٹیبل پر رکھ دیا اس کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ اس کا لب نہیں چل رہا تھا آنکھیں، دل، وجود فرش راہ کر دے، عالم سرخوشی میں مبتلا مسکرا نہیں، چہرے پر اور گنگنا نہیں لیوں پر نہیں۔

☆☆☆

جانے کہاں سے اتنا غبار اور تفر رعتا کے وجود میں بھر گیا تھا شایان کے لیے اس نے عہد کر لیا تھا کہ اسے وہاں نکلنے نہیں دینا، ہر حال میں اس کی جگہ فاریہ لے گی۔ انہوں نے عباد سے سیدھے منہ بات کرنا درکنار نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ سب کو خدا حافظ کہہ کر دروازہ پہلے گھر سے نکلا تھا عباد۔ ڈرائیور سے ایئر پورٹ چھوڑنے جا رہا تھا، جب اس نے شایان کے گھر کا راستہ سمجھا۔ جانے پہچانے راستے، محبت کی گزرا گاہیں، گنگنا تے لٹے، سب ساتھ مل کر قرض کرنے لگے۔

محبت مری بھی جائے تو بھولتی نہیں ہے، بھولنا بھی چاہیں تو غلط ہے، یادیں اور راہیں بھولنے نہیں دیتیں۔ اس رخ سے منہ پھیر کر اس رخ دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں مریجیں ہی بھر نہ لگیں۔ اس کی محبت سے اسے بہت دکھ ملے تھے۔

”جی صاحب!“ گاڑی مطلوبہ جنگلے کے سامنے کھڑی تھی۔

”ہارن دو!“ عباد نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے سیاہ گیٹ کو دیکھا۔ باہر بیٹھا چوکیدار اٹھ کر اس کی جانب آیا۔ ڈرائیور نے ہارن دیا۔ چند ثانیے بعد گیٹ پورا کھل گیا۔ چوکیدار کھڑکی میں جھک گیا۔

”سلام صاحب..... اندر آئیں۔“

”نہیں، تم بی بی کو بھیج دو۔“ کھلے گیٹ سے اندر نگاہ

”کی۔ سامنے ہی وہ کھڑی تھی، دوسرے کچے چونک گیا، وہ جینر شرت میں لمبوں ہونے کے بجائے پریل کلر کے چوڑی دار پانچائے، شرت پر دو پٹا پھیلائے کھڑی تھی۔ کھلے ہوئے پال شانوں پر پتھرے تھے۔ قدم قدم اس کی جانب بڑھاتی آ رہی تھی۔ عباد نے منہ پھیر لیا۔

”عباد بیٹا اندر آئیے نا!“ خوشی سے چپکے چہرے کے ساتھ آئی سارہا ہر آئیں۔

”نہیں آئی مجھے کام سے جانا ہے، آپ اسے بھیج دیں۔“ سنجیدی سے سلام کر کے متانت سے کہا۔

”ایسے کیسے بیٹا، یہ تمہارا گھر ہے۔“

”پلیز آئی بی الحال ممکن نہیں۔“ گھڑی پر نگاہ کی

”بہت ضروری کام ہیں۔“

”اچھا..... ناشتا، چائے، ٹھنڈا۔“ سارہ اصرار کرنے لگیں۔

”پلیز آئی“ کہاناں۔“ وہ پلٹ گئیں، انہیں عباد کے طور ٹھیک نہیں لگے۔ سامنے ہی خوشیوں کے احساس سے جگمگانی شایان تھی۔

”آئی کیا ہوا؟“ شایان نے پوچھا۔

”آ جاؤ، وہ بہت جلدی میں ہے۔“

”اچھا۔“ گاڑی کی جانب دیکھا۔ عباد چوکیدار سے بات کر رہا تھا۔ شایان ان سے گئے مل کر گاڑی کی جانب آ گئی۔ پیچھے پیچھے ملازمہ تھی۔ اس نے اس کا بیگ گاڑی میں رکھا۔

”بیگ، بڑا سا لیدر کا بیگ۔ اس میں شاید اس کے کپڑے تھے۔ ڈرائیور نے دروازہ کھول دیا۔

”السلام علیکم۔“ گاڑی... میں بیٹھ کر دروازہ بند کر کے اسے سلام کیا۔

”علیکم السلام“ اس پر نگاہ کیے بغیر ڈرائیور کو گاڑی چلانے کا اشارہ کیا۔ جھپکے چہرے، دکھتی آنکھوں اور ہنر کتے دل کے ساتھ وہ سرخوشی بھرے انداز میں آگے بیٹھے عباد کو دیکھ رہی تھی۔ وہ شاید ابھی تک غصا تھا، سنجیدہ، سویر، خاموش۔

”میں متالوں گی، معافی مانگوں گی، غلط راہ شوق نے مجھے بھٹکا دیا تھا، اس سے پہلے دین سے لاعلم تھی۔

حقوق کی اہمیت کا احساس نہیں تھا، لیکن اب.....“ عباد کو دیکھتے دیکھتے آنکھوں کی سطح جھپکے لگی۔

”اب میں علم کا سفر طے کر رہی ہوں، آگئی میرے ساتھ ہے۔ اب..... کبھی بھی عباد آپ کو مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔ کبھی بھی میں آپ کی دل آزاری، دل شکنی نہیں کروں گی۔ آپ مجھے گھر لے آئے آپ کا بے حد شکریہ بخندہ خودی کی سی کیفیت میں عباد کو کتنے جاری تھی جو اس کے وجود سے سحر غافل گاہے بگاہے ریت و اج پر نگاہ ڈالتا ہے حد خاموش تھا خود ہی لینے آتے عباد..... ملن کے اس راستے کو امر کر لیتے۔ اس کے لب مسکرا دیے۔

”آپ..... آپ مجھے بدلہ ہوا دیکھ کر کتنا خوش ہوں گے، میں نے آپ کا پسندیدہ رنگ پہنا ہے۔ آپ کے رنگ میں رنگ گئی ہوں۔ میں نے آئی سے اپنا گروٹھ لگانا سیکھا ہے، آپ کو بے حد پسند ہے نا، اب چائے بھی اچھی بناتی ہوں۔ صبح کا ناشتا خود بنایا کروں گی، آپ کا دل چاہتا ہے تو..... تو..... اپنی سوچوں میں گم، غریب مسرت سے اسے کتنے ہوئے پتا نہیں چلا کہ گھر آ گیا۔

گاڑی جھپکے سے عشق بیچان کے پھول چوں سے ڈھکے گھر کے آگے رگ گئی۔ ڈرائیور اتر کر دروازہ کھول رہا تھا۔

”اتریے بی بی صاحب!“ اترتے ہوئے عباد کو دیکھا۔ وہ منہ موڑے باہر دیکھ رہا تھا۔ آچل سنبھال کر اتر گئی۔ ڈرائیور نے بیگ اٹھا کر اندر رکھ دیا۔ گیٹ سے اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے منہ پھیر کر دیکھا۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ عباد پیچھے آ رہے ہوں گے۔ لٹے بھر بعد حیران ہوئی، گاڑی زن سے آگے نکل گئی۔ ضروری کام سے گئے ہوں گے۔ اندر کی جانب قدم بڑھائے۔ دوسرے کچے چونک گئی، لان میں رکھی جینر پزیریدہ رحمن بیٹھی تھیں، ان کی جانب قدم بڑھادئے۔

”السلام علیکم۔“ ادب سے ان کے آگے جھکی۔

”علیکم السلام۔“ محبت سے سر پر ہاتھ پھیر کر ماتھے کا بوسہ لیا۔ شدت سے شایان کے دل میں ان کی گود میں چھپنے کی خواہش جاگی۔ ان کے آگے دوڑا نو ہو گئی بے

ساختم۔

”ای میں اپنے پچھلے رویوں پر شرمندہ ہوں۔“
دھیرے سے ان کے ہاتھ تھام لیے ”آئی ایم سوری میں نے آپ سب کو ہرٹ کیا۔“ اس کا ہر ہر انداز انہیں چونکا رہا تھا، لپٹی بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔

”میں معافی کے قابل تو نہیں جو سزا ملے گی میں سہ لوں گی۔“ سنجیدگی اور متانت اس کا خاصہ تھی یہی نہیں جس کا وہ اظہار کر رہی تھی۔

”بیٹا، جب تم اپنے کپے اور اپنے کپے پر شرمندہ ہو تو سزا کیسی، مجھے خوشی ہے کہ تم لوٹ آئی ہو اور بالکل بدل چکی ہو۔“ ستائش بھرے انداز میں اس کے کھلے کھلے روپ، ڈھکے ہوئے لباس، جھکے سر اور بادب لہجہ تبدیلی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ دھیرے سے اٹھا کر اپنے مقابل بٹھالیا۔

”اوہو، شایان صاحبہ تشریف لائی ہیں۔“
بھابی کی آواز پر وہ چونکی۔ مگر بھرے چہرے کے ساتھ اس نے سر جھکا لیا۔

”کیسے آتا ہو اورانی جی۔“
”راحمہ، اس کا گھر ہے آگئی۔“ زبیدہ رحمن کو برا لگ گیا۔

”اچھا مگر انہوں نے اس گھر کو گھر سمجھا ہی کب تھا اور اڑتی نکل کے بھی گھر ہوتے ہیں۔“ وہ اندر تک کٹ گئی۔ اپنے آنچل کا ایک کونہ ٹیٹھی میں پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ صبر و تحمل، ظرف برداشت کے اصول بندھے تھے۔

”بیٹا صبر و برداشت کو ہاتھ سے پھسلنے نہ دینا جو فصل بولتی ہے اسے کاٹنے کا وقت ہے۔ بول کی زمین پر بول اور ٹیکس کی کاشت سے ٹیکس ہی کی فصل اگے گی اور یہ بول، ٹیکس، ٹیکس، ٹیکس ہی تم نے کاٹی ہے۔ فصل کی کٹائی کے بعد زمین ہموار کر کے نئی فصل بوو گی۔ محبت کی فصل لیکن فصل کی کٹائی اور چھائی کے درمیان کا وقفہ تم نے صبر و تحمل سے گزارنا ہے۔ یہ تمہارا امتحان اور شاید سزا ہو۔ مگر ایک گھر مضبوط گھر بنانے کے لیے صبر و ضبط کے اس پل سے گزرنا ضروری ہوگا۔“ دھیرے سے اس نے اپنے پیروں کو مضبوط کیا، آئی کے شیریں لفظوں نے اس

کے گرد حصار بنالیا۔

”اور مجھے کئی بات یہ ہے امی کہ انہیں گھر آنے کا خیال آیا، کیونکہ۔“ راحمہ بھابی استہزائیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

”راحمہ! یہ اس کا گھر ہے بالکل تمہاری طرح، یہ آسکتی ہے یہاں۔“

”اچھا۔۔۔!“ سر سے لے کر پاؤں تک سر جھکائے شایان کو دیکھا۔ ”حیرت ہے!“ چائے کی ٹری ٹیبل پر رکھ کر مڑ کر اندر چلی گئیں۔ کچھ لمحے تک وہ جاتی ہوئی راحمہ کو دیکھتی رہیں۔ اس درجے نادر اسلوب کی راحمہ کی جانب سے امید نہیں تھی مگر انہوں نے گہرا سانس لے کر شایان کو دیکھا ابھی تو ندا پھر رعنا، اس کے بعد مریم آپا اور اس کے بعد۔۔۔۔۔

”شایان، کچھ دنوں تک تمہیں یہ سب برداشت کرنا ہوگا، سب کی مخالفت کے باوجود میرا اور تمہارے ابو کا دوٹ تمہارے حق میں تھا۔ ہمارے نزدیک بچے، بچے ہوتے ہیں انہیں ایک موقع ملنا چاہیے۔ ساری زندگی کا معاملہ ہوتا ہے بیٹا۔ تم اپنے حوصلوں کو بحال رکھنا۔“ آنکھوں کی سطح جھیک رہی تھی، شایان نے سر اٹھایا اور مسکرا دی۔

”کوئی بات نہیں امی، دراصل میں نے بھی تو۔۔۔“
”تم مجھے بہت بدلی ہوئی لگ رہی ہو، پہلے والی شایان سے۔“ شایان نے ایک بار پھر سر جھکا لیا۔ اب کیا بتانی وہ کیوں بدلی، کیسے بدلی، آئینہ کس نے دکھایا، محبت جنوں خیزی میں کب بدلی۔ نگاہ ٹیبل کی جانب اٹھی، چائے کی ٹری دیے ہی رکھی تھی۔ ٹرے آگے کر کے چائے بنانے لگی، زبیدہ رحمن محبت سے اسے دیکھنے لگیں اور۔۔۔۔۔ اور اپنے کمرے کے ٹیرس سے یہ منظر دیکھ کر رعنا کو شدید جھجکا لگا۔

”تو یہ۔۔۔۔۔ آگئی۔ اور امی۔۔۔۔۔ اتنی عزت افزائی کے باوجود اسے سر آنکھوں پر بٹھاری ہیں۔ آوارہ چنل تمہیں تو اس گھر میں بسنے ہی نہیں دینا اب۔“ منتظرانہ انداز میں سوچا اور اندر چلی گئیں۔

اپنے کمرے میں جاتے ہوئے اس کا سامنا ندا

والی سے ہوا۔

”ارے تم، کب کس کے ساتھ آئیں۔“ انہیں سمجھتے ہوئے جان نہ سکی، حیرت ہے، مگر ہے یا خوشی۔

”تو۔۔۔۔۔ اس کا قاتل انداز میں جائزہ لیا۔“ اور عباد لے گئے آیا۔ اتنی نفرت کے باوجود۔۔۔۔۔

”جی!“ وہ بھی نہیں (نفرت۔۔۔۔۔ کیسی نفرت، اگر نفرت قائم رہتی تو لے کر آتے، اب تو صرف ناراضی ہے، نفرت ہے، میں۔۔۔۔۔ میں منالوں گی)

”اور یہ تمہارے لباس کو کیا ہوا؟“ ”اب یہ نیا روپ بھر کر، نئے ہتھکڑیوں سے لیس ہو کر آئی ہیں سسرال میں۔“ راحمہ بھابی بھی آگئیں۔

”لگتا ہے زبان بھی ادھر ہی رکھی آئی ہے۔“ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسی۔ شایان گوگو کی کیفیت میں تھی۔

”میں تو حیران ہوں کہ عباد لے کیسے آیا، وہ تو۔۔۔۔۔“
ذہنی انداز، باطنی اشارے، تفہیم بھرا انداز دروید۔ وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

بے شک، اس نے راحمہ بھابی، ندا بھابی کے ساتھ بدلتی کی تھی ان کے بچوں کو مارا تھا، زبان چلائی تھی ان کے بارے میں بھی جھوٹی افواہیں اڑائی تھیں، وہ معافی مانگنے ہی آئی تھی۔ دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ ”مجھے معافی مانگنے کا موقع تو دیں۔“ لائٹ آن کی۔ اک محسوس کن احساس خوشبو۔۔۔۔۔ کمرگوں میں عزت کر گیا۔ ٹھنڈک و سکون نے اپنے پر پھیلانے۔

سانس دی ویا پر ان کی انگلیاں تصویر کی تھیں۔ سائیز ٹیبل پر ایک فریم تھا۔ ڈرائنگ ٹیبل پر میک اپ کا سامان، گلابی میز پر پردے، میز پر کارپٹ، در پیچے پر پھیلے پردے۔ دھیرے سے صوفے پر بیٹھ کر مسکراتے ہوئے سکون کی ماس لی۔ ”اب تو میں آگئی ہوں تا جس کے بھی دل میں غم، نفرت، شکوہ، شکایت ہوگی سر جھکا کر سنو گی اور اپنے بدلے لیجے اور سلوک سے سب کو خوشیاں دوں گی۔“

مرت و خوشی کے دیے اس کے گرد روشن ہو گئے۔

”عباد! اٹھ کر سائیز پر رکھی اس کی تصویر کو اٹھالیا۔“ مجھے آپ سے معافی مانگنی ہے بہت زیادہ۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔

اور دھیرے سے فریم کی سطح پر ہاتھ پھیرا۔ آپ کو یہ بتانا ہے میرے دل میں آپ کی نفی محبت ہے اور۔۔۔۔۔ اور میں پہلے جیسی نہیں رہی۔“ فریم بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔ بھرپور زندگی کا خواب اس کی آنکھوں میں بس گیا۔ ”میں جانتی ہوں آپ کا غصہ نفرت مگر مجھے خود یہاں لانا نفرت میں کی کا ہی تو باعث ہے نا۔۔۔۔۔“ مکان گہری ہونے لگی۔ تن من میں محبت کے سارے رنگ مل گئے۔

☆☆☆

رات کھانے کی ٹیبل پر دل کو سنبھال کر آئی تھی۔ راحمہ بھابی اور ندا بھابی کے سلوک نے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ امی نے محبت سے اپنے برابر میں بٹھایا۔ رحمن صاحب نے خوشی کا اظہار کیا۔ اویس بھابی یا سہرا بھابی اور فہد بھابی کا انداز سسر کی ساتھ اسے حیرت ہوئی عباد گھر نہیں آئے تھے اور سب ان کے بغیر ہی رات کا کھانا کھا رہے تھے جب کہ اس کے سسرال کا معمول تھا سب مرد گھر میں آ جاتے تھے تو کھانا کھایا جاتا تھا۔ بچوں کو کھلا دیا جاتا تھا۔ لیکن اب ڈائنگ ٹیبل پر نگاہ کی۔ دوسرے لمحے چونک گئی۔ رعنا بھابی بھی نہیں آئی تھیں۔

”تو کیا؟“ وہ سوچ کر رہ گئی۔ تاہم رعنا بھابی کی گڑیا اور خیر نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ یا سہرا بھابی کا فرخ اسے دور سے مسکرا کر دیکھتا رہا ندا بھابی کی ماہ نور پر ام میں ٹیٹھی تھی۔ کھانا کھا کر شایان اپنے کمرے میں آ گئی۔ عباد ابھی تک نہیں آئے تھے اور۔۔۔۔۔ اور کسی کو پرواہی نہیں تھی ہو سکتا ہے سب کے علم میں ہو عباد بتا کر گئے ہوں اس کا انتظار بے جیٹھی کو بڑھا رہا تھا۔ ادھر ادھر چلتی رہی۔ ٹیرس میں کھڑی ہو گئی۔ اس بے جیٹھی میں عشا کی نماز بھی پڑھ لی۔ آہستہ آہستہ سب اپنے کمروں میں چلے گئے۔ گیارہ بج رہے تھے۔ وہ باہر لان میں آ گئی۔ آخری راتوں کا چاند بادلوں کے ساتھ ہم رقص۔۔۔۔۔ گاہے بگاہے نکل رہا تھا چاروں طرف اک گہری خاموشی تھی۔ دھیرے سے لان کی میز جیوں پر بیٹھ گئی ساتھ ہی مین گیٹ تھا جس کے اطراف میں عشق پیچاں کے پھول پتے لنگ رہے تھے۔ مسکراہٹ ہونٹوں سے کھلنے لگی۔ سامنے سے ابھی کچھ دیر میں عباد کی گاڑی آئے گی انہیں اس سے کتنی شکایات

سہارا..... بے ساختہ سائڈ ٹیبل پر رکھی عبادی تصویر پر ہنس لگا ٹھہری۔ سہارا تو اس کی عاقبت نا اندیشی سے آگے پھسل گیا۔ اب تو دکھوں اور اذیتوں کے لق و دق صحرائیں تنہا بے یار و مددگار کھڑی تھی۔ ”اب تو آپ کے دل میں اک بار گھر بنانا ہے۔ از سر نو محبت کے عمل کی تعمیر کرنی ہے۔“ آنکھوں کے گوشے صاف کیے۔ ”میرے دل میں محبت سلامت ہے بلکہ اس کی شدت میں اور اضافہ ہوا ہے آپ کو پانا ہے۔“ آنکھیں جھلجھلا گئیں۔ ”زندگی کو نئے سرے سے یقین اور اعتبار کا پانی دینا ہے۔“ ہنسیکے مڑگاں خشک کیے۔ تصویر کی سطح پر افسردگی سے ہاتھ پھیرا۔ ”ان سب کو پانے کے لیے مبرورداشت کے راستے سے گزرتا ہے۔“ آئی کہتی ہیں اب تمہیں سراٹھا کر نہیں سر جھکا کر چلنا ہے کیونکہ صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ۔“ دھیرے سے کھڑی ہوئی۔ ”بے حسی کی چادر اوڑھ کر وفا شعاری سے سر جھکا کر مبرورداشت کے راستے سے گزرتا ہے۔ باہر میرے لیے کچھ نہیں اب..... سب گدھ ہیں بھوکے ننگے ہوں زدہ..... دولت پیسے کے بھوکے۔“ دھیرے سے دروازہ بجا۔ ملازمہ صفر اندر آ گئی۔

”بگیم صاحبہ بلارہی ہیں جی!“
”آئی ہوں۔“ خود کو سنبھالا..... اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ یہ حوصلہ کافی تھا زبیدہ رحمن کا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔

”دیر تو لگے گی مگر زیادہ دیر نہیں۔“ آس اور امید کا دیا پکڑ لیا۔ سب لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رعنا بھائی نے منہ پھیر لیا۔ راجہ بھائی نے طنز سے دیکھا اور ندا بھائی ذومنی انداز میں ہنسیں۔ زبیدہ رحمن اسے دیکھ رہی تھیں۔
”آؤ بیٹا!“ وہ دھیرے سے چل کر ان کے

پہلو میں بیٹھ گئی۔ ایک نگاہ سب کے تھے ہوئے چہرے تکھے ابرو چٹختی ہوئی کمان اور کورفر سے اٹھی گردنوں کو دیکھا۔ سب اس کے آنے سے اٹھنے کے لیے پرتولنے لگے۔

”میں آپ سب سے اپنے نانا روادار سلوک کی معافی مانگتی ہوں۔ بے شک میں نے تمہیں کی وجہ سے آپ سب کا دل دکھایا میں کوشش کروں گی کہ آئندہ آپ کو مجھ سے

شکایت نہ ہو۔“

”شکایت.....“ رعنا بھائی نے کورفر سے دیکھا۔ ”شکایت تو جب ہوگی تا جب ہم تم سے رابطہ رکھیں گے۔ خبردار جو مجھے پکارا بھی۔“ وہ غصے سے پھنکار رہی تھیں۔

”اونہہ شریف زادی آئی ہے بڑی بن کے۔“ رعنا بھائی اٹھیں اور باہر نکل گئیں۔ راجہ بھائی ان کے پیچھے تھیں۔ ندا بھائی رخ پھیر کر اس کی شکل دیکھ رہی تھیں کسی کو حالات حاضرہ کی باخبری کے لیے موجود رہنا تھا۔ سو وہ تھیں۔ زبیدہ رحمن نے اس کی متورم پلکوں جھکی ہوئی نگاہ کو دیکھا۔

”ای!“ رخ پھیر کر ہاتھ تھام لیا۔ امی آپ بھی مجھے معاف کر دیجیے گا میں نے آپ کی دل آزاری کی دل دکھایا اس کی ہی سزا ملتی ہے۔“

”سزا..... کیسی سزا“ ندا بھائی چونک گئیں۔ زبیدہ رحمن نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما اور دھیرے سے اسے ساتھ لگا لیا۔ جانے کیسی محبت کیسی ہمدردی کیسا ترس شایان کے لیے ان کے دل میں اٹھ رہا تھا۔ بے شک اس نے برا کیا تھا۔ ان کا دل دکھایا تھا مگر اچھا بھی تو کر رہی تھی۔ بڑوں کو اپنے دل طرف بڑے رکھنے چاہئیں۔ بڑوں کی بڑائیاں ہی چھوٹوں کے لیے مشعل راہ ہوتی ہیں۔ ان کے سینے میں سٹ کر شدت سے بھل بھل کر کے رونے کی خواہش بہت ہوئی۔ بمشکل اپنی سسکیوں آنسوؤں پر کنٹرول کیا۔ ان سب کے درمیان رہنے کے لیے حال میں جینا تھا ورنہ عباد کے جانے نے اسے توڑ ڈالا تھا۔ ندا بھائی..... اونہہ کہہ کر طنزیہ نظروں سے دیکھتی باہر نکل گئیں۔

”یہ روئے یہ انداز تم برداشت کرنا بیٹا۔ سب دل کی اچھی ہیں۔ بس تھوڑا سا غصہ تھوڑی سی سختی ہے۔ کچھ عرصے میں دور ہو جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ زبیدہ دھیرے دھیرے اس کا ہاتھ سہلا رہی تھیں اور وہ تو ویسے ہی آگئی اور فہم کے راستے سے گزر کر آ رہی تھی۔

”میں تمہاری بات کرواؤں گی عباد سے..... اور کان بچھوں گی کہ تمہیں بتا کر کیوں نہیں گیا۔“ زبیدہ چہنی نے

اس کا دل بہلایا..... اور دل ایسی باتوں پر نہیں بہلتا..... جب سچ اور زیرک نگاہیں سامنے ہوں۔ فون تیل پر انہوں نے ریسورٹاٹھایا۔ شایان کی آنی کا فون تھا۔
”لو! بات کرو.....“ ریسورٹ اس کی جانب بڑھا دیا۔

”پہلو! شایان کیسی ہو؟“ دوسری جانب آئی تھیں۔
”ٹھیک ہوں۔“
”اور عباد.....“
”جی سب.....“

”مجھے کل اس کا انداز اچھا نہیں لگا بہت فکر مند تھی۔“
”سب ٹھیک ہے نا۔“
”جی!“

”شکر ہے اللہ کا! اب تم سنبھل کر رہنا۔ جیسا میں نے سمجھایا ہے۔“
”جی!“ وہ نہ رہی تھی۔
”خبردار جو پرانے دوستوں سے رابطہ بڑھایا۔“
”جی!“

”تمہارے پاپا کا فون آیا تھا آنے کا ارادہ کینسل ہو گیا ہے۔“
”پاپا.....!“ اس کا دل بھرا آیا۔ کوئی اس کا اپنا بھی تھا۔

”آئی پاپا سے کہیے گا میں یاد کرتی ہوں۔ کبھی مجھے فون کر لیں۔“ آنکھوں کے گوشے جھینکے لگے۔

”بیٹا کہہ کر“ مانگ کر محبت نہیں ہوتی۔ دل کے احساس سے محبت ہوتی ہے۔ شایان تمہارے باپ کو پیوں سے پیار ہے بس۔ تم چپ ہو تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا۔“
”جی.....!“

”اچھا خدا حافظ“ اس نے فون رکھ دیا۔ بمشکل مسکرا کر بھرائی ہوئی نگاہ ساس پر ڈالی۔ نظر چرا کر وہ پاندان کھول رہی تھیں۔ ساری پچھلیں اس سے روشنی جا رہی تھیں معلوم نہیں ان محترم خاتون سے محبت کا رشتہ ہے یا اپنائیت کا۔ آنکھوں کے گوشے صاف کیے۔ جو خوا خواہ ہی جھینکتے جا رہے تھے اور دل کا درد بڑھا رہے تھے۔

☆☆☆

”صبا اپنی مگنی کورا زکھر رہی ہے۔“
”تو پھر تمہیں کس نے بتایا؟“
”خود صبا نے ہی بتایا ہے۔“

☆☆☆

اس کی معافی کے باوجود ان کے تھیک آمیز رویوں میں کوئی فرق نہیں آیا بات چیت تو درکنار اس کے ساتھ بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ مریم چھو سے بھی معافی مانگ لی۔ تاہم اسے دیکھتے ہی انہوں نے اس کے خوب لٹے لیے تھے۔ اچھی طرح سے ڈانٹ پھٹا کر کی اور دوسرے جھکائے سستی رہی۔

”تمہارا ہی حوصلہ ہے زبیدہ جو اس برائی کی پوٹ کو گھر لے آئیں میں ہوتی تو وہیں جلنے سڑنے کے لیے چھوڑی اور بیٹے کا دوسرا بیاہ رچائی۔ عباد اسے لا کر چلا کیوں گیا۔ کہیں تم نے زور تو نہیں ڈالا تھا.....“ شایان کو اندر تک کرنٹ لگا۔

”اگر تم نے ڈالا بھی تھا تو بے فائدہ۔ تمہیں کیا فائدہ ہو گا جب کچھ عرصے بعد بھی اسے آکر چھوڑنا ہی ہے۔ تم اس کی دوسری شادی کر دیتیں۔“

”آیا..... ہمارے خاندان میں کب دوسری شادی ہوئی ہے کسی کی۔ اللہ اس کا گھر بسائے رکھے۔ انسان خطا کا پتلا ضرور ہے پھر اپنے کیے کا پاس بھی کر لیتا ہے۔“
”اونہہ!“

”معاف کر دیں آپ اپنی ہے نا سمجھاں سر پر نہیں کون سمجھاتا..... اب عقل آئی ہے تو سب ٹھیک ہے۔“ محبت سے اسے دیکھا۔

”خاک ٹھیک ہے یا پھر تپت ہو گیا ہے۔“ آپا مریم نے پاندان اپنی جانب کھینچا۔

”تم جالو تمہارے گھر کا معاملہ ہے۔ برائے مہربانی اسے دوبارہ میرے گھر کی راہ مت دکھانا۔“ صاف کھرا اچھا تھا۔ وہ اندر تک شرمندہ تھی۔ رعنا بھائی طنزیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھیں۔ مبرورداشت کا دامن اس نے

مضبوطی سے بکڑا ہوا تھا۔ اس آنکھ میں ہی اس کی بھانجی۔
وہ خود برحیران تھی۔ ذرا سی کسی کی بات برداشت نہ
کرنے والی کیسے ثابت قدم ہو گئی تھی۔ اس کے اندر اتنا
تحمل کیسے آیا نماز پڑھنے سے دین کی کتابیں پڑھنے
سے۔ سچ راہ کا تعین کرنے سے یا اس آنکھ نے یہ درس دیا
جس نے اس کے وجود کو ہلا کے رکھ دیا تھا۔ سر جھکا کر
سارے قصور ان کی سزا سمیٹ رہی تھی..... کیوں! ناراض
دلوں کو منانے کے لیے روٹھے ساجن کو گھر بلانے کے
لیے اور کیا معلوم..... ساجن اس کا تھا بھی کہ نہیں۔ امی
نے کیوں عباد پر زور دے کر بلایا۔ کیا عباد کی بالکل مرضی
نہیں تھی کہ اسے بلاتا۔

کیوں کیوں.....؟ سوالوں کے آکٹوپس اسے
ہر لمحہ ہر آن جملے رہتے۔ تنہائی، اسکے پن نے اس کے
اندر ایک نئی روشنی پھیلا دی تھی۔ علم و آگہی کی روشنی۔ اس
روز میز جوں پر بیٹھی اسوہ حسنہ کا مطالعہ کر رہی تھی کہ آہٹ
پرچوٹی۔ پیچھے زبیدہ رحمن تھیں۔

”کتابیں پڑھنا اچھی عادت ہے اس عادت کو
برقرار رکھنا چاہیے۔“
”جی“ وہ اس کے پاس سے گزر کر لان میں رکھی
چیز پر جا کر بیٹھ گئیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے اٹھ کر ان کے
ساتھ چلنے لگی تھی۔

”یہ ہمیں بعض اوقات وہ کچھ سکھا دیتی ہیں جو ہم
انسانوں سے نہیں سیکھ سکتے یا انسان ہمیں نہیں بتا سکتے۔
کتاب انسان کی بہت اچھی ساتھی ہے۔ ہمیں ان کی قدر
کرنا چاہیے۔“
”جی.....“

”کھانا پکا لیتی ہو؟“
”تھوڑا بہت آئی نے ابھی سکھایا ہے۔“ شرمندگی
سے سر جھکا یا۔

”کھانا پکانا مجھے بھی نہیں آتا تھا مگر میں نے صرف
عباد کے ابو کی وجہ سے سیکھا۔ انہیں اچھا کھانے کا شوق
تھا۔ انسان کھانا پکانا صرف دو طریقوں سے سیکھتا
ہے۔ شوق کی وجہ سے یا پھر شوہر کی وجہ سے۔“
”امی مجھے بھی اچھا کھانا پکانا سکھائیے گا۔“ معصوم

سے بچے کی مصحوبیت سے کہا۔
”ہاں ضرور..... میں تمہیں وہ تمام ڈشز سکھاؤں گی
جو عباد کو پسند ہیں۔“ وہ اندر تک کپکپا گئی۔
”جانتی ہو عباد کو کیا پسند ہے؟“ خفت سے سر اس
نے سر جھکا یا۔ بھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی جب ہوش
آیا تو۔۔۔

”اسے وہ سب پسند ہے جو اس کی ماں پکائے۔
فرمائش کر کے وہ گھر بیلا اور فرانی قیہ بنواتا ہے۔“ وہ سر
جھکائے سنتی رہی۔ ماں بیٹے کی محبت سے مشروط باتیں۔
(کیا آپ میرے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھالیں گے)
”ارے میں نے تمہیں ایک بات تو بتائی نہیں۔
اسلام آباد سے فضیلہ آ رہی ہے کل بچوں کے ساتھ۔ دل
چاہ رہا تھا اس کا آنے کو عباد کی شادی پر آئی تھی۔“ اس کا
دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کی مخالفت کا ایک اور
دوٹ..... رنگ زرد ہو گیا۔

”تم کسی بات کی فکر مت کرنا۔ زندگی اسی طرح کی
عبارتوں سے مزین ہے۔ اس کے سامنے زیادہ مت آتا۔
غصے کی تیز ضرور ہے مگر دل کی بری نہیں۔“ نکلتی ہی اس
کی جانب جھک کر سلی آ میرا انداز میں ہاتھ تمام کر سمجھایا۔
(یہ دل کا برا کیا ہوتا ہے انسان کے روئے لیجے بتا دیجے
ہیں کہ دوسرا انسان کیا سمجھتا ہے اور اخلاقیات کے کس درجے
پر ہے مگر..... مگر آج بھی سب پہلے والی شایان سمجھتے ہیں۔
بھٹکی بے پروا، نسیبت زدہ اور جھکڑالو۔ میرا دل بدل گیا
ہے کسی کو نظر نہیں آتا۔ میں بدل گئی ہوں کوئی دیکھتا
نہیں۔ روئے لیجے ضابطے اور اخلاق کسی نے پہچانا نہیں
تو..... تو)

”انسان اپنی چپ کی بلکل سے بھی دوسروں کے
دل جیت لیتا ہے۔ بیٹا، چپ تو اس کی ذات کا حصہ بنی
جاری کی اس کی ذات کا عرفان یہ کتابیں..... غیر محسوس
انداز میں آنکھوں کے گوشے جھینکنے لگے۔ زبیدہ رحمن اسے
اور بھی بہت کچھ سمجھا رہی تھیں۔ قطرہ قطرہ آگہی دل کے
سمندر میں جمع ہوتی جا رہی تھی۔

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں



دل کے دشتے

کرن نورین

”یہ میری بھانجی ہے۔ تین تو چند سال پہلے ہی ہو گئی
تھی اب چند ماہ پہلے میری بہن کا بھی انتقال ہو گیا۔ بس
میں چاہتی ہوں جلد اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔“
جیلہ خاتون نے لڑکے کی ماں سے کہا۔
”ٹھیک ہے بہن ہمیں تو لڑکی پسند ہے ہم باقی گھر
والوں سے مشورہ کر کے نوں کر دیں گے۔“ لڑکے کی ماں

اور بہن اٹھ گئیں۔
دوسرے دن ہی لڑکے والوں نے ہاں کہہ دی۔
فرخندہ کے والدین کافی رقم چھوڑ گئے تھے۔ جیلہ خاتون
نے خوش اسلوبی سے انتظام کر کے دو مہینے میں ہی فرخندہ
کو رخصت کر دیا۔
نئی جگہ بنایا ماحول تھا مگر فرخندہ نے اچھی تربیت کے



ناولٹ

اعتبار محبت

عالیہ حرا

آخری حصہ

کی عاقبت نااندیشی اس کے وجود میں آگ لگا دیتی۔ وہ کیوں تھی ایسی۔ کیسے ہو گئی ایسی! اس کا دل دکھتا رہتا تھا جانے والے نے پلٹ کر پوچھا ہی نہیں تھا۔ ”تم کیسی ہو؟“

لاؤنج میں محفل آباد تھی۔ سب جمع تھے ابو اور امی اس رونق سے مسرور ہو رہے تھے۔ فضیلہ کے بچے ان کی گود میں چڑھے ہوئے تھے وہ اپنے کمرے میں سب آوازیں سن رہی تھی۔

اگلے دن فضیلہ آگئی۔ گھر کی رونقوں میں اضافہ ہو گیا۔ شایان اپنے کمرے میں محصور ہو گئی۔ اب اس کا دل اپنے کمرے میں بے حد گھبراتا تھا۔ یوں لگتا یہ چار دیواری اس پر کر کے اس کے تمام بدلوں کا حساب چکائے گی۔ اس کا دم گھٹتا رات کا بیشتر حصہ وہ لان میں ٹھہرتے ہوئے گزارتی تھی۔ بیڑیوں پر بیٹھ کر سوتے ہوئے صبح کر دیتی تھی۔ بیڑا سے کانٹوں کی سیج لگتی۔ عباد کا لہجہ اس کے تہمتے اس کی باتیں اس کی محبت بھری سرگوشیاں اور..... خود اس

ماہنامہ پاکیزہ

اگست 2007ء

تہتہ، محبتیں، زندگی کے رنگ..... اپنائیت کے سنگ۔ ایک اس کی ذات... جس سے جینے کا ڈھنگ بھی چھین لیتا چاہتے تھے۔

”عباد بھی ہوتا تو مزہ آ جانا جانے پھر میرا کب آنا ہو؟“ فضیلہ کی آواز بلند تھی۔

”تو بیٹا وہ تو روزگار کے سلسلے میں باہر ہے تم اس کی بیوی سے رابطہ بڑھاؤ۔“ ابو کی آواز تھی۔

”جی کیا..... کیا۔ اس کی بیوی۔ ابھی اس گھر میں موجود ہے۔“ تحیر بھر انداز۔

”جی اور بھر پور طریقے سے موجود ہیں حالانکہ کوئی جواز بنتا تو نہیں ہے۔ یہاں موجودگی کا امی جانے کیوں زبردستی کی بلا لے آئی ہیں۔ عباد تو طلاق دے رہا تھا۔“ یہ رعنا بھابی کی آواز تھی۔ اس کا خون رگوں میں جمنے لگا۔

”امی کیا ضرورت تھی اس پر یہ احسان کرنے کی جب عباد چاہتا نہیں تھا جانتی ہیں خاندان میں پہلے ہی کتنی تھوٹھو ہو رہی تھی۔“ فضیلہ کی آواز خاصی بلند تھی۔ آنسو وجود کی زمین کو بھگونے لگے۔ ”کیوں آپ اسے لے کر آئیں کیا فائدہ ہے آپ کا؟“

”فضیلہ کیوں بھول رہی ہو کہ وہ اس گھر کی بہو ہے۔“

”بہو کہلانے کے بھی لائق نہیں ہے وہ۔ عادتیں اور خصلتیں بھی بدلتی ہیں کبھی۔ آپ نے اس پر اعتبار کیسے کر لیا؟“

”عباد کی ناپسندیدگی کے باوجود اسے کسی بات کا خوف تھا نہ پروا۔“ فضیلہ استحقاق سے بولتی جا رہی تھیں۔

”اُف! اتنی ناپسندیدہ ہے وہ۔ اس گھر کے لوگوں کی نظر میں۔“

”حیرت ہو رہی ہے مجھے آپ کو فیصلہ کروا دینا چاہیے تھا کوئی اور اچھی خاندانی لڑکی لے آئیں اس کے لیے انسان ٹھوکر کھا کر ہی سنبھلتا ہے۔“ ساری آوازیں سنتی شایان نے سسکیوں کو روکنے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

”انسان بے شک ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہے۔ وہ بھی سنبھل گئی ہے گڑھے میں گرنے سے پہلے پھر..... پھر یہ لوگ کیوں اسے قبول نہیں کر رہے تھے۔ بندے خدا نہیں

ہوتے جو اپنے بندوں کا بڑے سے بڑا گناہ ایک طرف مذمت کی اک بوند سچی آنسوؤں کی خاطر مغاف کر دیتا ہے۔“

”میں عباد کو اچھی طرح جانتی ہوں اس نے اسے نہیں بسانا۔ آپ نے ناحق اتنا بڑا فیصلہ کیا۔“ کیسا یقین تھا اس کے لہجے میں۔

”بس کرو فضیلہ معاف کر دینے میں انسان کی بڑائی ہے۔ وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہے۔“

”ہماری تو خاندان میں عزت ہو گئی نا..... تالی کے گھر چلے جاؤ۔ تمہاری بھانج اسی۔ پھپھو کے گھر چلے جاؤ۔ کیا دیکھا تھا تم لوگوں نے شایان میں۔ اُف میں نے تو وہاں جانا چھوڑ دیا۔“

”یا اللہ.....“ اس نے سر دیوار سے ٹکرایا، اس جرم کی سزا کب تک بھگتنی ہوگی۔“

”کام و ام کرواتی ہیں یا مہارانی بنا کر رکھا ہے۔“ ایک اور دُورہ!

”نہیں، کام کرنے کے لیے ہم جو ہیں۔“ راحہ

بھابی کی آواز پر اس نے گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔ ایسے طعنے تشنہ باتوں باتوں میں بہ آواز بلند کر رہی تھیں اور وہ سن رہی تھی۔ اسے کوئی در..... کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیا کرے کیا نہ کرے۔ رات کو وہ عشا کی نماز پڑھ کر تسبیح پڑھنے کے باوجود قرآن پاک کھولنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ دروازہ کھول کر فضیلہ اندر آ گئی شایان سمٹ کر رہ گئی۔

”اوہ!“ اہانت آمیز انداز تھا۔ ”صوم صلوٰۃ کی پابند۔ کیا تہجد گزار بھی ہو۔“ چہرے کے گرد پلٹا دو پٹا۔ بیگا بیگا چہرہ۔ ”نوسو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔“ سینے پر ہاتھ باندھے کینہ تو زنگاہوں سے دیکھتی کھا جانے کو تیار۔

”میں چلتے چالاک، گھنی، میسنی۔ یہی کہا تھا تم نے صالحہ سے (صالحہ مریم پھپھو کی بیٹی تھی)“

”کہاں ولید اور کہاں فضیلہ بے جوڑ شادی ہے جانے کیسے پھانس لیا۔“ شایان کا سر جھک گیا۔ یہ سب اس نے کہا تھا جانے کیوں کہا تھا بے سوچے سمجھے۔

”تم ولید کو درغلانی تھیں کہ کیا دیکھ لیا تھا فضیلہ میں آپ نے۔ وہ تو ولید کانوں کے کچے نہیں تھے۔ اس لیے

کوئی ایکشن نہیں لیا..... درندہ! بڑے استحقاق سے اس کے سر کو چھٹکا دیا۔ وہ لڑکھا گئی۔ ”تم نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اب بولو مجھے بولو میں تمہارے سامنے کھڑی ہوں ذلیل لڑکی۔ جانے میرے بھائی نے تم میں کیا دیکھا جو اپنی زندگی تباہ کر لی۔“ اس کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔

”اور تم؟“ تم کیوں اس گھر میں رہ رہی ہو۔ عباد کے ساتھ ساتھ سارا گھر تم سے نفرت کرتا ہے۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے اور..... یہ تم! بھر پور اس کا جائزہ لیا۔ ”اپنی کیسے بدل گئی ہو؟ کہاں اتنی ماڈرن کہ کبھی جینز اترتی ہی نہیں تھی اور کہاں یہ..... ایسا..... کون سا ایسا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔“

اس نے تڑپ کر سر اٹھایا۔ تسخیرانہ نگاہ اس پر مرکوز تھی اور زیرک نگاہی سے اس کے لباس کو دیکھ رہی تھی۔
”کون سا گناہ چھپانا چاہ رہی ہو۔“ اس کا وجود لرز گیا۔ کس منہ سے یہاں رہتی ہو۔ کر دکھیں جا کر منہ کالا۔ ہمیں اپنے بھائی کی دوسری شادی کرنی ہے۔“ دھیرے سے سر اک بار پھر جھکا لیا۔ دکھ کے بھنور حلق میں اٹکنے لگے۔

”تمہاری خاموشی بڑی معنی خیز ہے اور میں بے یقین..... تمہیں یہاں کتنے نہیں دوں گی۔ جانے میری ماں کو کیا گھول کر پٹایا ہے۔“
”فضیلہ..... فضیلہ!“ باہر سے ندا بھابی پکارتی اندر آ گئیں۔

”تم ادھر ہو، ولید بھائی کا فون آیا ہے۔“
”ان کے پاؤں میں تو مہندی لگی تھی۔ سوچا جا کر مل آؤں۔“ سر سے لے کر پاؤں تک نگاہ کی اور باہر نکلتے گئیں۔ ”ان کے پاؤں میں مہندی لگی ہی رہتی ہے۔“ ندا بھابی کا لہجہ طنز و تحقیر بھرا تھا۔

”فضیلہ!“ اپنے منتشر حواسوں کو کنٹرول میں لایا۔ اس کے قدم دروازے میں رک گئے وہیں سے آنسوؤں کے گولے کھوکھول نکل کر حلق سے نیچے کیا تو کچھوں سے آنسو بہنے لگے آواز بھرا گئی۔ ”میں نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا۔ اس کے لیے میں تم سے

شرمندہ ہوں، ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔“ قرآن کو سینے سے لگا کر ہاتھ جوڑے۔ فضیلہ جھکے سے قریب آئی۔

”میرا طرف ابھی اتنا بڑا نہیں کہ اپنی چٹک کو معاف کر دوں جب تک بدلہ نہ لے لوں۔“ مجھے تو تم میرے اب چڑھی ہو۔ میرے غصے کی آگ تمہیں اس گھر سے نکال کر بجھے گی اور اس وقت بالکل ٹھنڈی ہو جائے گی جب میری نندہ سیم یہ جگہ لے لے گی۔“ اس کے وجود کی جانب اشارہ کیا۔ ”اونہہ کہہ کر سر جھکا اور ندا بھابی کے پیچھے باہر نکل گئی۔
بھیلی برستی نگاہ کے ساتھ وہ ساکت بیٹھی رہ گئی۔ دکھ کے الاؤ اس کے تن میں کودھکانے لگے۔ آہ و فغاں اس کے وجود میں رقم ہوتی چلی گئی۔

☆☆☆

”اے نکال باہر کریں امی۔ کیوں جگہ دی ہے یہاں کیا ہے اب اس کا یہاں آپ جانتی ہیں عباد کی نفرت اور اگر وہ زیادتی کی تلافی کر رہا ہے تو کرنے دیں۔“ زبیدہ رحمن نے انتہائی دکھ سے بولتی ہوئی فضیلہ کو دیکھا۔

”وہ آپ کو مرضی کرنے کا موقع دے رہا ہے اور آپ.....“ اس کے لہجے میں تفرقہ تھا ”اور آپ نے سوچا کہ وہ اتنی بدل کیسے گئی ہے کہاں تو وہ ماڈرن سی شبلیان اور کہاں مغربی بی بی..... ہا ہا ہا.....“ وہ ہی ٹپسی۔

”مجھے تو دل میں کالا نظر آ رہا ہے۔ اس کی تو زبان اندر ہی نہیں رہتی تھی۔ ادھر کچھ کہا نہیں ادھر پٹ سے جواب آیا نہیں۔“

”فضیلہ!“ ضروری نہیں جو غلط ہے وہ ہمیشہ غلط ہی رہے اگر اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو تم لوگوں کو اپنا دل طرف بڑا کرنے میں کیا حرج ہے۔ تمہیں کوئی ضرورت نہیں عباد کا دل برا کرنے کی.....“ انہیں غصہ آ گیا۔

”امی.....!“ ماں کو حیرانی سے دیکھا۔
”اے کام و ام پر لگائیں اب لے ہی آئی ہیں تو ڈھیل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔“ فضیلہ کا مزید بولنے کا ارادہ تھا مگر ماں کو قہقہے کے دانے نہ کراتے دیکھ کر چپ ہو گئی۔

☆☆☆

”عباد!“ شب کے سناٹوں میں اس نے سائینڈ ٹیبل پر رکھی تصویر کو دیکھتے ہوئے آنکھوں کے گوشوں کو صاف کیا مگر آنسو تھکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔
 ”آپ کے لئے صرف آپ کے لئے میں نے آج فیصلہ کی اتنی سخت باتیں برداشت کی ہیں۔ مجھے آپ تک لوٹنا ہے۔ آپ کا اعتماد اعتبار قائم کرنا ہے اور محبت کا ٹوٹا ہوا گھر پھر سے آباد کرنا ہے۔ آپ سے معافی مانگنی ہے۔ ذاتی میں غلطی گمراہ تو جی ہوگئی ہوں۔ آپ مجھے معاف کر دیں گے نا نفرت کے بادلوں کو سمیٹ کر.....
 ورنہ..... ورنہ.....“ گھٹنوں پر سر رکھ دے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اب رونا ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

فیصلہ جب تک بھی اس نے سامنے نہ آنے کا ارادہ کیا تھا مگر وہ کہیں نہ کہیں سے آکر اس پر حملہ کر دیتی اور بے نقط سناڑا لیتی۔

رعنا بھابی کہیں بھی ہوں اس پر نگاہ پڑتے ہی ان کے تاثرات عجیب سے ہو جاتے۔ ایسے میں زبیدہ رحمن کی ذات اس کے لیے ڈھال اور محفوظ پناہ گاہ بھی۔ کہنے کو وہ اس کی ساس تھیں مگر ماں جیسی تھیں۔

انہیں اس کا خیال تھا۔ دنیا سے زالی ساس تھیں۔ ورنہ ملکہ اور غزل نے تو ساسوں کے ایسے ایسے نقشے کھینچ رکھے تھے کہ وہ کالوں کو ہاتھ لگا لیتی تھی۔۔۔۔۔ ان کی وجہ سے ہی وہ الگ گھر کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مگر آج جب وہ انہیں اپنے ساتھ ساتھ محبت دیتے ہوئے حفاظت کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی تو وہ اپنی تمام گزشتہ حرکتوں پر نادم، شرمندہ بھی۔ بے شک وہ غلط تھی۔ دل ہی دل میں وہ اعتراف کرتی تھی اور اسے غلط ہونا ہی تھا۔ جب ارد گرد ماں باپ، دادا، دادی، نانائیاں یا کوئی اور بڑا مقدس رشتہ نہ ہو۔ آگئی دینے والے لوگ نہ ہوں۔ بے تحاشا دولت، خرچ کرنے کی آزادی اور غلط قسم کے دوستوں کا ساتھ اور بے تحاشا آزادی ہو تو اسی طرح سے غلط راہ کا تعین ہوتا ہے جو بہتر ہی لگتی ہے۔ کسی کو خاطر میں نہ لانا، بے عزت کرنا، قول و فعل میں تضاد اور دوسروں کی ہتک کرنا۔ آنٹی سارہ بہت اچھی تھیں مگر اس نے زعم اور فخر میں مبتلا ہو کر انہیں ذخیرا ہوتا جانا ہی نہیں تھا۔ ویسے بھی انسان کی سرشت میں ہے۔ وہ

ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہے اور خدا جسے چاہے آگئی دے اس کا کعبہ درست ہو گیا تھا۔ وہ کھائی میں گرنے سے بچ گئی تھی۔

من کے میت کو منانا تھا۔ سر جھکا کر عاجزی و انکاری سے پور پور اس کے عشق میں مبتلا..... وہ خدا کے حضور سجدہ ریز..... رہتی تھی۔

اسے بہتر اخلاق، خدمت اور وفا شعار سے مگر والوں کے دل جیتنے تھے جو اسے گزرے وقت کے آجئے میں دیکھتے..... بلکہ دیکھتے رہتے تھے۔
 ☆☆☆

”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا..... پہلی فلائٹ سے واپس آؤ۔“ متحیر چہرے کے ساتھ ریسور پکڑے ہوئے زبیدہ رحمن غصہ ہوئیں۔ عباد کا فون آیا ہوا تھا۔ سب سے بات کی تھی اس نے۔

”دماغ میرا بالکل ٹھیک ہے۔ امی عروہ بہت اچھی لڑکی ہے اس بار بھی میں اپنی مرضی کر رہا ہوں۔ مگر میری مجبوری ہے۔ کل شام کو نکاح ہے اور اب میرا پاکستان آنے کا کافی احوال کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ہماری فرم نے ادھر ہی ایک ادارہ فرم بنالی ہے۔ مجھے اب ادھر رہنا ہے۔“

”عباد.....!“ ان کا لہجہ جھنجھکیا۔

”میں جانتا ہوں آپ ناراض ہوں گی۔ مجھے معاف کر دیں۔ عروہ بہت مجبور اور بے بس ہے۔ اسے یہاں فی الفور سہارے کی ضرورت ہے۔“

”عباد تم کس کس کو سہارا دو گے۔ اسے کسی رفاہی ادارے کے حوالے کر دو۔۔۔۔۔ یہاں تمہارے منتظر سہارے بلکتے کتنے لوگ ہیں خود تمہاری بیوی۔“

”ادھنہ۔۔۔۔۔“ حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ ”میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا اس کی میری زندگی میں کوئی اہمیت نہیں۔۔۔۔۔ میں نے آپ کے کہنے پر اسے نہیں چھوڑا۔ آپ ہی اسے سنبھالیں۔“ اس کا دل شایان کی جانب سے پتھر ہو گیا تھا۔

”میری زندگی میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں آپ کو دوبارہ فون کر کے عروہ کے بارے میں بتاؤں گا۔“

”مجھے کچھ نہیں سننا۔“ انہیں بہت غصہ آ رہا تھا۔
 ”پلیز امی، کوئی بد دعا مت دیجئے گا۔ میں پہلے

”نکال باہر کریں اسے“ ایک نیا مشورہ دیا۔
 ”امی کو ہی شوق ہے بیکار لوگوں کو پناہ دینے کا۔“
 رعنا کیوں پیچھے رہیں۔

”بیکار کیوں! اتنے کام کی ہے سچ میرے دونوں
 بچوں کو سنبھالتی ہے۔ میرے حصے کا کپڑا کا کام کرتی ہے۔
 مفت کی ملازمت۔“ راحہ ملی۔ زہیدہ رجن کو بے حد دکھ
 ہوا۔

”یہ سب لوگ کس درجہ اخلاقی گراؤ میں مبتلا ہیں
 کوئی رشتہ نہ دیں مگر بحیثیت انسان تو اہمیت دے سکتے
 ہیں۔ ان کا دل مزید برا ہوا۔ اپنا کپ ایسے ہی چھوڑ کر
 انہیں اور باہر نکل گئیں۔ رجن صاحب نے کپ ہونٹوں
 سے لگالیا۔

”اب آپ امی کو سمجھائیں، کتنا غلط کر رہی ہیں
 جب عباد اس رشتے کو ختم کرنا چاہتا ہے تو امی بضد ہیں کہ
 یہ رشتہ قائم رہنا چاہیے حالانکہ..... نا اہل ہے وہ.....“
 ”خواہو اور رکھنے کا جواز ہے یہاں.....“ رعنا کا بس
 چلتا تو لہجہ میں چلتا کرتی تھیں۔

”میرے خیال میں اس رشتے نے ٹوٹنا ہوتا تو اسی
 پل ٹوٹ جاتا جب اس کی شروعات ہوئی تھیں۔ اب تو
 شایان بھی بہت بدل گئی ہے۔ عباد کو اس کے متعلق سوچنا
 چاہیے تھا اک نیا قصہ!“ ان کا لہجہ سوچنا ہوا تھا۔
 ”تو آپ اب ختم کر دیاں.....“ فضیل کی ناگواری
 برقرار تھی۔ وہ بھی..... عباد کی آس لگے بیٹھی تھی مگر.....
 ”اب مشکل ہے تمہاری ماں نہیں چاہتی۔“ رجن
 صاحب بولے۔

”امی تو بس نا.....!“ رعنا اور راحہ ایک دوسرے
 کی شکل دیکھ کر رہ گئیں رعنا کا انداز ذومعنی تھا۔

☆☆☆

زہیدہ رجن بہت ملول واداس تھیں۔ عباد کے فون
 نے انہیں بے حد دکھ دیا تھا۔ انہیں شایان پر ترس آ رہا تھا۔
 کس لئے تھی وہ یہاں..... اسے عباد کا انتظار تھا۔ وہ آئے
 گا اور دوبارہ سے نئی زندگی شروع ہوگی۔ مگر..... اس نے
 کیا، کیا..... کیا واقعی عباد کے دل میں شایان کے لئے جگہ
 نہیں..... تو پھر وہ کیوں.....! کیوں اسے بسانا چاہ رہی

”تمہیں میری دعا کی ضرورت ہے نہ پروا..... جو
 دل چاہے کرو، تم نے بھی میری سنی ہے اور نہ بھی سنو گے
 اور.....“ لائن کٹ گئی۔ سب ان کی طرف دیکھ
 رہے تھے۔

”کیا ہوا؟“ رجن صاحب ان کی طرف متوجہ تھے۔
 ”امی آپ اتنے غصے میں کیوں ہیں کیا ہوا۔ عباد تو
 ٹھیک ہے نا۔“ قالین پر بیٹھی اپنے بیٹے کو کھلاتی فضیلہ نے
 چونک کر ماں کو دیکھا۔

رعنا بغور ساس کو دیکھتی کہانی معلوم کرنا چاہ رہی
 تھی۔ وقت کی بساط پر عباد شاید کوئی اور کہانی لکھ رہا تھا۔ وہ
 کہانی کیا تھی۔ وہ تو عباد سے رابطہ کرنا چاہ رہی تھی کہ فارسیہ
 کے متعلق فائل کریں۔

مگر.....! انہوں نے امی کے اترے چہرے کو
 دیکھا۔ اس وقت شایان چائے کی ٹرے تھاے اندر
 آ گئی۔

زہیدہ رجن اسے دیکھتی رہ گئیں۔ سر جھکائے
 خاموشی سے اس نے کپ سرو کئے اور باہر نکل گئی۔
 اس گھر کے لوگوں نے اب اسے ملازمہ بنا ڈالا تھا۔
 کل وقتی ملازمہ جب سے بیماری کی وجہ سے طویل چھٹی
 پر گئی تھی۔ اس کی جگہ شایان نے لے لی تھی بلکہ رعنا، راحہ
 اور نور نے منتقل کر دی تھی۔ ان کے سینے میں خندا سانس
 ایک گیا۔ ”کیسی بد نصیب بچی ہے۔“

”امی بتائیے نا کیا ہوا.....“ اویس اور فہد بھی ان کی
 جانب متوجہ تھے۔

”عباد شادی کر رہا ہے۔“ چھپانے سے کوئی فائدہ
 نہیں تھا۔

”ہیں! کیا.....! اچھا۔ کمال ہو گیا۔ اس میں اتنی
 انفرادی کی کیا بات ہے..... اچھا ہوا امی اس نے اپنا گھر
 بسالیا۔“ یہ اس کے لائق تھی اور نہ ہے۔ جسے آپ نے
 زبردستی سر پر مسلط کر لیا ہے۔“ فضیلہ نے ناک سکڑ کر
 کہا۔

سمجھتی ہے عباد تک پہنچنے کا میں کیسے اسے دھکا دے دوں۔“ زبیدہ رحمٰن بے بسی سے بولیں۔

”تم بہو کو بہور بنے دو بیٹی، بیٹی ہی ہوتی ہے۔“
”رحمن صاحب! انہیں بہت دکھ ہوا۔“

”بہو جب بیٹی بن جائے تو ساس کو بھی ماں بن جانا

چاہیے۔ وہ بن ماں کی بیٹی، باپ بہت دور۔ دوسری

شادی کر کے اپنے دوسرے بچوں میں خوش۔ پھر اس کی

ترتیب تو ایسی ہی ہوئی تھی نا۔ اب جب اس نے خود کو بہتر

اور اچھا کر لیا ہے تو میں کیسے اسے دھکادوں۔“ ان کی

آنکھیں برسے لگیں۔ وہ فطرتاً رحم دل خاتون تھیں۔

تاسف و ملال سے بیگم کو دیکھا۔ عباد پر سخت غصہ آ رہا تھا۔

مگر بستر پر لیٹ کر تکیہ منہ پر رکھ لیا۔

”تم جانو اور تمہارے بر خور دار۔۔۔۔۔“ وہ اک بار پھر

گہرے رنج و الم میں ڈوبے لگیں۔

☆☆☆

ولید کی ایمر جنسی کال پر فیصلہ نے رخت سفر

باندھا۔ حالانکہ اس کے بیٹے کو سخت بخار تھا اور وہ ابھی رہنا

چاہتی تھی۔ جب تک شایان کو اس کے گھر نہ بھیج دیتی۔۔۔۔۔

گھر۔۔۔۔۔ خدا اس کے ساتھ تھا۔

شایان نے آہستہ آہستہ بچن اور گھر کے بہت سے

کام اپنے ذمے لے لئے۔ وہ آہستہ آہستہ سمجھتی جا رہی

تھی۔ زبیدہ رحمٰن نے بہت کچھ سکھایا تھا۔ ان کے تو

سارے کام ہی وہ خود سے کرتی تھی۔ خاموشی سے

سر جھکائے کچھ بھی کہے بغیر۔۔۔۔۔ وہ اکثر بے یقینی سے دیکھے

جائیں اور اسے پروا بھی نہیں ہوتی۔

کتنا عرصہ ہو گیا تھا اسے گھر گئے وہاں تھا ہی

کون۔۔۔۔۔ آنی کا فون آ جاتا فون پر ہی اسے بہت کچھ

سمجھا دیتیں تھیں اور اب وہ ملاچوں و چچا ان کی باتیں سنتی

اور گھر میں باندھ لیتی پھر اس پر عمل کرتی۔ بہتر سے

بہترین زندگی کی جانب اس کے قدم رواں تھے۔

اسے رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ کروٹیں بدلنے سے

بہتر تھا کہ وہ کتاب پڑھ لیتی ان کتابوں نے اس کے

اخلاق کو سنوارا تھا، اسے برے بھلے کی تمیز دی تھی اور

اچھائی و برائی کا فرق سمجھایا تھا۔ انسان برا نہیں ہوتا

ہیں۔ فون پر ہمیشہ اسے بتایا تھا شایان کے متعلق۔ بہت

بدل گئی ہے وہ۔ بالکل نئی لڑکی۔ اس کا حلیہ، لباس، اخلاق

عام بول چال،۔۔۔۔۔ غرور والی کیفیت ختم ہو گئی ہے۔

خاموش رہتی ہے۔ نماز کی پابند ہے۔ تمام اخلاقی برائیوں

سے میرا۔۔۔۔۔ تم آ جاؤ بیٹا تمہیں اس سے کوئی شکایت نہیں

ہوگی۔“ ان سب باتوں کے جواب میں اس کا ایک جواب

تھا۔

”انی میرا دل نہیں مانتا اب۔۔۔۔۔“

”تم۔۔۔۔۔ آ تو جاؤ نا۔۔۔۔۔ اک بار اپنے دل کو راضی تو

کرد۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔“ وہ ٹال جاتا اور ہمیشہ مالتا ہی

رہتا۔ پھر کہنے لگا سوچ کر جواب دوں گا۔

”یہ کیسا سوچا۔۔۔۔۔ کیا سوچا۔۔۔۔۔ اس نے۔“ زبیدہ

رحمن کی آنکھیں بھٹکنے لگیں ان کے اعلیٰ و ارفع شریف

خاندان میں پیوند لگنے لگا تھا۔ دوسری شادی کا۔۔۔۔۔ طلاق

کا۔۔۔۔۔ ظاہری بات تھی اب وہ کیونکر اسے رکھیں۔ ان کی تو

تمام کوششیں ہی بے سود ہیں۔ ہونی ہو کر رہتی ہے۔

”تم کیوں اپنے دل پر لے رہی ہو۔ اس کی زندگی

بے جینے دو۔“ وہ اپنی سوچوں میں گم تھیں رحمٰن صاحب

کے آنے کی آہٹ محسوس نہیں ہوئی۔

”کیسے جینے دوں، کیا اس کی زندگی پر میرا کوئی حق

نہیں ہمیشہ وہ خود غرض بن جاتا ہے۔“ ان کا لہجہ آبدیدہ

تھا۔

”خود غرض لوگوں کی غرض بھی پھر اسی طرح سے

پوری ہوتی ہے۔“ انہوں نے اپنی جگہ سنبھالی۔

”آپ کچھ نہیں بولتے، کیوں نہیں سمجھاتے۔ میری

نہیں آپ کی تو مان ہی لے گا۔“ زبیدہ رحمٰن نے گلہ

آ میزی سے انہیں دیکھا۔

”وہ میری بھی نہیں مانے گا اسے خود پر بھروسہ ہے۔

تم بلکان مت کرو خود کو، میں اس سے بات کروں گا۔“ رحمٰن

صاحب بولے۔

”کیسے نہ بلکان کروں۔۔۔۔۔ شایان مجھے اب پل

عادتیں بری ہوتی ہیں۔ اس نے جن جن کراپی اخلاقی گرواٹ والی عادات کو ختم کر دیا تھا خدا نے اس کا ہاتھ قائم کیا تھا۔

اس کی خاموشی، گریز اور چلنے پھرنے میں پاکیزگی جھلکنے لگی تھی۔ اسے دکھ دیتے ہوئے اب زبیدہ رحمن کا وجود ہلکان ہونے لگتا۔ وہ رو رو کر دعا کرتیں۔

”میرے رب عباد کو بھٹکنے سے بچالے اسے فلاح کا راستہ دکھا دے۔“ مگر کبھی کبھی دعائیں جی بے اثر ہو جاتی ہیں۔

عباد کا فون آیا۔ وہ اسی لڑکی کو شادی کر کے گھر لے آیا تھا۔ اس روز زبیدہ رحمن بہت روئی تھیں۔ ان کے خاندان کو گرجہ بن لگ گیا تھا۔

”سنو، تمہیں کچھ پتا ہے؟“

شایان جو ڈاننگ ٹیبل پر بیٹھی پیاز کاٹ رہی تھی۔ متحرک ہاتھ ریک گئے۔ رعنا بھابی نے اسے متوجہ کیا تھا وہ اس سے مخول کلام تھیں۔ تو..... تو..... بے اختیار سراٹھایا۔ عجیب سا لہجہ، چہرے پر طنز یہ مسکراہٹ..... ”عباد نے دوسری شادی کر لی ہے۔“ ہم بلا سٹ کیا۔

”کیا.....“ اس کی دھڑکن تیز ہوئی اور چھری ہاتھ سے گر گئی۔

”اب کس لئے یہاں رہو گی۔ یہ تبدیلی، یہ خاموشی، یہ بہروپ، کس لئے کاٹھ کا الو تو گیا۔“ اس کا مذاق اڑایا..... اس کے سامنے چیر پر بیٹھ گئیں۔

”کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کون سے گناہ کون سی غلطی کو چھپانے کے لئے تم یہاں آئی ہو..... تمہارا یہاں کیا کام ہے۔ جس کے ناتے تم یہاں ہو وہ تو تمہیں فونوں کی دھول بنا گیا.....“ اس کے ساکن وجود سے بے پرواہ اسے کچھ کے لگا رہی تھیں۔

”خواب اگر میرے پورے نہیں ہوئے تو بے اماں تم بھی ہو گئی ہو۔ کسی کفارے کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہے۔“ وہ بول رہی تھیں اور بھی کچھ بلکہ بہت کچھ۔ مگر وہ سن کب رہی تھی۔ اس کے احساسات ساکن ہو گئے تھے۔

”عباد نے شادی کر لی۔ اس کی پروا نہیں کی۔ اس کے متعلق نہیں سوچا۔ اسے معاف نہیں کیا۔ اسے.....

اسے۔“ اس کا دل بھرا آیا اور..... اک دم سے احساس زیبا پر پھوٹ پھوٹ کر رونے کی خواہش جاگی..... اس کی آنکھوں کے سوتے خشک تھے۔ آنکھیں دیران اور دل کی راہ گزر پر دور تک سناٹا اور خاموشی بھلتی چلی گئی۔ اس احساس نے اسے مجبور کر دیا تھا۔

آس و امید کے دیئے بجھ گئے۔ یقین کے پھول ہاتھوں سے پھسل گئے جو وہ آنے والے کے لئے جمع کرتی جا رہی تھی۔ ”ناراض سہی تھا سہی آنا تو یہاں ہی ہے نا۔ منالے گی۔ مگر.....“ ہتھیلیاں پھیلائیں۔ خالی ہاتھ تھی وہ.....

وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ خوشی و مسرت کے رنگ چھپکے ہوتے چلے گئے۔ حزن و دکھ کے بادل مٹ چکے گئے۔ دھیرے سے کارپٹ پر گر گئی۔ سامنے ہی اس کا بیک بڑا تھا۔ سرخ، سبز اور چہرے کا دھانی سوٹ ابھی تک بند تھا۔ اس کے آنے پر پہننا تھا۔ اس کا گفٹ دینا تھا۔ اسے منانا تھا۔ چاہت کے گھر وندے آباد کرنے تھے..... مگر..... وہ خالی..... ہو رہی تھی۔

”اس نے شادی کر لی۔ دوسری شادی۔“ گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔

”اچھا ہوا کر لی میں اس کے قابل ہی نہیں تھی۔ کہاں وہ..... کہاں میں.....!“ اسے لگا وہ مر رہی ہے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے..... مگر اس کی آنکھیں خشک تھیں۔

دکھ کی جس منزل پر وہ تھی اس کا کوئی نام نہیں تھا۔ دکھ کی اذیت تھی ہے اور اس کے بے رحم خون نے..... اور اس کا نرم و نازک وجود..... بیٹھے بیٹھے تھک گئی تو وہیں زمین پر سکر کر لیٹ گئی۔

”لعنت ہے میری زندگی پر.....“ دھیرے سے آنکھیں بند ہو گئیں..... ”لعنت ہے میری زندگی پر.....“ اس کی..... وقت کی گردش گویا رک گئی..... دھڑکنیں بھی رک گئیں۔ آس و امید کے دیئے بھی بجھ گئے۔

☆☆☆

اک گہری خاموشی نے اسے اپنے حصار میں لے

کھلوتا جب ہاتھوں سے پھسل جائے تو دل نہیں
سنہلے.....

”میں سارہ کفون کروں؟“

”نہیں!“ شایان نے انکار میں سر ہلایا۔ ”وہ آج
کل اپنے آبائی شہر گئی ہوئی ہیں۔“

”تمہارے ابو.....“ زبیدہ رحمٰن نے پوچھا۔

”پہلے ارادہ تھا آنے کا اب ان کے بچوں کی تعلیم کا
مسئلہ ہے۔ اے لیول اور اد لیول مکمل کر لیں پھر آئیں
گے۔ گھر میں تالا لگا ہے۔“

”شایان.....“ زبیدہ رحمٰن دھیرے سے انھیں۔

کسی قدر اکیلی، تنہا، ویران ہے۔ لڑکی شوہر کی خاطر میکا
چھوڑتی ہے۔ شوہر اچھا ہو تو سب بھول جاتی ہے۔ شوہر تنہا
کردے۔ سکے میں سسرال کے دکھ سیننے والا کوئی نہ ہو۔
تو..... تو زندگی کیسی ہوتی ہے۔ اس کا دکھ دل پر محسوس
کر رہی تھیں۔

”اگر جاو تو نئی زندگی شروع کرلو۔“

”نئی زندگی!.....“ شایان نے اچھٹے کے سے انداز
میں دیکھا۔ ”نئی زندگی.....“ مجھے اس زندگی میں ہی رہنے
دیں۔ مجھے نئی زندگی راس نہیں آئی۔ درد کا اپنا ہی لطف
ہے۔ میں اک ایسی لڑکی تھی جس نے نئی زندگی شروع کی تو
سب کچھ بھول گئی۔ اب کون سی نئی زندگی ہوگی۔ کیا دیا ہے
مجھے اس نئی زندگی نے۔ میں اب ادھر ہی ٹھیک ہوں۔“

اس کے ہاتھ حرکت کرنے لگے۔

”امی کہیں رہنے کے لئے کوئی واسطہ کوئی حوالہ ہوتا
ہے جب رکھنے والا ہی کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا.....“ اندر
آئی راحمہ بھابی نے تکیے چتون سے اسے دیکھتے ہوئے
کہا۔ شایان نے سر جھکا لیا۔

”میں تو ضابطے اور رابطے رکھنا چاہتی ہوں تا اب
مجھے بیرونی دنیا سے کوئی سروکار نہیں۔ مجھے وہاں سے کچھ
نہیں لینا۔ اب تو باقی ماندہ زندگی عزت سے جینی ہے۔“

”چپ مسئلے کا حل نہیں امی آپ ہی کوئی فیصلہ
کرائیں۔“ زبیدہ رحمٰن راحمہ کی شکل دیکھنے لگیں۔

”زبردستی کے بندھن ٹوٹ ہی جائیں تو اچھا ہے۔
ویسے بھی انسان جو بوٹا ہے وہی تو کاٹا ہے۔“ زبیدہ رحمٰن

لیا۔ وہ اندھی، بہری، گولی ہوئی، اپنے کلمے جاتی، کوئی
اس کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے۔ کسی سیلی اور ٹیلی نگاہ
سے دیکھ رہا ہے۔ عقارت و اہانت بھرے انداز سے
مطالب ہے یہ احساس ہی سوہان روح بن گیا تھا۔ اب
حقیقت میں وہ اس بھری دنیا میں فنا ہوئی۔ اس کی اچھائی
بھی کام نہیں آئی۔..... لان کی پچھلی جانب بنی سیزھیوں
پر بیٹھی رہتی۔ سوچوں کے ازدحام اس کے گرد چکراتے
رہتے۔

”وہ کیوں یہاں ہے اب۔ کس کے لئے ہے جس
کے لئے تھی وہ۔ تو.....“ آنکھیں بھیگ بھیگ جاتیں۔

آنسو ساکت ہو گئے تھے۔ ”اب تو جب تک اس گھر کے
مکین نکال باہر نہیں کریں گے جب تک جگہ نہیں
چھوڑتی۔“

زندہ رہنے کے لئے کھاتی تھی۔ طہارت دیا کیزگی
کے لئے لباس بدلتی تھی۔ کام اور نماز زندگی کے سماجی بن
گئے۔ رعنابھابی رعونت بھرے لہجے میں کہتیں۔

”میں جارہی ہوں یہ کر لینا میری طبیعت خراب
ہے یہ دیکھ لینا۔“ راحمہ بھابی نے دس کام اس کے سپرد
کر دیئے تو ندائیوں پیچھے رہتی۔ مٹی ڈتے داریاں اس کے
سر ڈال دیں۔ رہنا تھا، نمک کھانا تھا تو حق ادا بھی کرنا تھا۔
آنی کا فون آیا۔ اس نے سب ٹھیک ہے کا مسئلہ دے دیا۔
کیا بتاتی، کس لئے بتاتی، بتانے سے کیا ہو جاتا۔

”شایان اپنے گھر چلی جاؤ۔“ آج زبیدہ رحمٰن کی
طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ شایان ان کے پیروے دبانے بیٹھ
گئی۔ اس سے پہلے انہیں دلیہ بنا کر دیا۔ رحمٰن صاحب
آج کل گاؤں گئے ہوئے تھے۔ زمین اور فصلوں کے
حساب کتاب دیکھنے۔ دھیرے دھیرے دباتے اس کے
ہاتھ رک گئے۔ اک نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

”میں نے عباد کو بہت سمجھایا۔ مگر.....“ زبیدہ رحمٰن
نے گہرا سانس لیا۔

سر جھکا لیا ہاتھ پھر چلنے لگے۔ ”کچھ عرصے کے لئے
دل بہل جائے گا۔“

”دل!“ اس کے ہاتھ رکے۔ ”دل نے تو اب بہلنا
ہی نہیں ہے ہزار تاویلیں دیں یا لاکھ بہلادے، من پسند
ماہنامہ پانکھ

216

اپریل 2007ء

نے نظر بھر کر شایان کو دیکھا۔ دکھ کی شدید لہر نے انہیں بھگودیا۔

اس نے جو بویا تھا اس کی فصل کاٹ لی۔ اب کب تک کاٹی رہے گی یہ لوگ..... یہ سب لوگ..... اب کی بات کیوں نہیں کرتے۔ اب جو حقیقت ہے۔ حال ہے۔ اس کا ماضی۔ اس کا گزرا ہوا کل اور.....

”عباد کو بھی زندگی گزارنے کے لئے اچھی، گھریلو اور گھر محبت کرنے والی لڑکی کی ضرورت تھی اس نے جو بہتر سمجھا، کر لیا تم نے اسے کیا دیا تھا؟“ راحمہ بھابی بڑی بے باکی سے سوال کر رہی تھیں رعنا بھابی بڑے کروفر سے اندر داخل ہوئیں۔

”اک کٹھ پتلی ایسی زندگی، من مانی، آزاد خیال اور مازن تہذیب..... بی بی یہ سب باہر کی باتیں ہیں اس شالی اور گھریلو زندگی میں یہ سب نہیں چلتا اور عباد تھا ہی گھریلو.....“ اس کے ہاتھ دباتے دباتے بے جان ہو گئے..... اسے اپنے گرد شکوہ کستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بے بسی کی انتہا پر تھیں۔

”جاؤ بیٹا..... جا کر آرام کرو.....“ زبیدہ رحمن نے اس کی مشکل آسان کی۔ وہ اٹھ کر چلی گئی۔

”امی آپ بھی نا..... اب اسے نکال باہر کریں کیا ہے اس میں۔“

رعنا نے تیکھے انداز میں کہا۔

میں نے سوچا ہے اسے میں.....

”امی.....“ رعنا نے بات کاٹ دی۔ ”ہم سب اب یہ چاہتے ہیں کہ آپ اس کو آزاد کر دیں۔ یہ اس گھر سے چلی جائے۔ اس کا یہاں کچھ نہیں ہے۔ آخر عباد نے اصرار ہی آنا ہے پھر..... پھر بھی تو..... اب تو اس نے کہہ بھی دیا ہے تو آپ.....“

”ہاں.....“ انہوں نے گہری سوچ میں غلطان میرے سے کہا۔

”میں بھی یہ ہی سوچ رہی ہوں اس کے والد آجائیں تو حتمی فیصلہ ہو جائے گا۔“ وہ کسی گہری سوچ میں تھیں۔ رعنا اور راحمہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دیں۔

اب آیا لوٹ پہاڑ کے نیچے۔

☆ ☆ ☆
تیرا میرا رشتہ کیسا
اس کو بکھاتے بکھاتے
اپنے دل کی دیواریں زخمی کر بیٹھا ہوں
رشتہ شاید سلجھ نہ پائے
لیکن اس کو بکھانے کی دھن میں
جاناں.....!

سارے خواب بھلا بیٹھا ہوں
اپنا آپ گنوا بیٹھا ہوں

عباد تک جانے کے تمام راستے بند ہو گئے۔ چاہت کے دروازے پر لگے رنگ آلود فل کسی طور نہیں کھلے تھے۔ انہیں ٹوٹ کر گرنا تھا۔

پھر وہ یہاں کیوں ہے۔ اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ کہیں بھی ہو محبت تو سلامت رہتی۔ وہ سنگدل محبوب اسے مار کر ختم کر دینے کی خواہش میں جلتا ہو گیا ہے اسے یہ گھر چھوڑ دینا چاہیے۔ ابو کے آنے تک ہاسٹل میں دارالامان میں رہ لے لی۔ جب جینا ہی ٹھہرا تو زندگی تو ثبت پہلو سے گزارے اور دوسرے کے لئے کام کرے۔ انسان ٹھوکر کھا کر ہی تو سنبھلتا ہے۔ اور یہاں صرف ٹھوکر کریں، طعنے، تشنہ اور ماضی کے حوالے ہیں..... بندوں کی نظر میں نہ سبھی خدا کی نظر میں سرخرو ہو جائے۔

سیاہ طویل تاریک رات لان کی ٹھنڈی، بخ سنگی سیڑھیاں ہر سو پھیلی مختلف پودوں کی ملی جلی خوشبو اور اس کی لامحدود سوچیں۔ گھٹنوں پر سر رکھے وہ اماؤس کی سیاہ رات کا حصہ لگ رہی تھی۔ کروڑوں کے مالک ملک انجاز کی بیٹی، بیرسٹر رینا رڈ عبید رحمن کی بہو اور امیر شہزادے عباد رحمن کی بیوی۔ دارالامان میں رہے گی۔

”نئی زندگی..... آج امی بھی کہہ رہی تھیں نئی زندگی شروع کرو۔ عباد واپس آنا چاہتے ہوں گے میری موجودگی میں کیسے آئیں۔ کتنے مہینے، کتنے سال ہو گئے ہیں انہیں گئے۔ کتنے سال!“ وہ چونکی۔ ”سال..... کتنے سال.....“ وہ یاد دہنی نہ کر سکی۔ اس نے تو کوئی حساب ہی نہیں رکھا تھا۔

”انتظار..... انتظار، طویل انتظار..... لا حاصل ہی

رہا۔ ماں بچے سے ملنا چاہتی ہوں گی۔ بے شک وہ اس سے محبت کرتی ہیں مگر بچے کو ب تک در بدری کی سزا دے سکتی ہیں۔“

”میرا کیا ہے؟“ دل اور وجود کا..... کوئی ایسا مضبوط رشتہ بھی نہیں۔“

نھیک ہے وہ چلی جائے گی راستے آسان کر دے گی مگر اسی سے وعدہ لے کر جائے گی۔ وہ عباد کے راستے سے ہٹ رہی ہے۔ عباد اسے بھی نہ چھوڑے۔ اب وہ کسی اور کے قابل ہی نہیں۔ وہ جتنا محبت ہے اسے کوئی اور چہرہ اچھا لگ ہی نہیں سکتا۔

اس فیصلے پر دل کتنا مضطرب تھا کوئی اس سے پوچھتا۔ اپنی تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کرے گی۔ تعلیم کی فروغت کے لئے کام کرے گی۔ اک لائحہ عمل بنائے گی جب دوسروں کے لئے ہی جینا تو عمل مثبت کیوں نہ ہو۔ دھیرے سے اٹھ گئی۔

☆☆☆

صبح دھیرے سے ان کا ہاتھ تھام کر اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا یہاں سے جانے کا..... زبیدہ رحمن اسے دیکھتی رہ گئیں۔

”پاپا کے گھر کو میری ضرورت ہے۔ یہاں تو میں عضو معطل کی طرح ہوں، ناپسندیدہ، فضول، بے کار..... زبیدہ رحمن اسے دیکھتی رہیں۔“ دعا کیجئے گا مجھے زندگی ملے۔“

”زبیدہ رحمن ہمیں سے انداز میں مسکرائیں۔“

”بس ایک بات آپ سے کہنی تھی۔ عباد سے کہیے گا مجھے طلاق نہیں دے میں ان کے لئے راستہ چھوڑ رہی ہوں اور ہو سکے تو زندگی کے کسی موڑ پر مجھے معاف کر دیں۔ میں نے ان کا دل دکھایا، ہرٹ کیا، سنگدلانہ رویہ رکھا اور کبھی انہیں اہمیت ہی نہیں دی۔“ دھیرے سے ان کے سامنے زمین پر بیروں کے پاس کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ دوڑاؤ..... مارا ہوا انداز..... بے رونق چہرہ۔ اچھے ہوئے بال، رت جیسے ماری آنکھیں۔

”مجھے بس لینا آتا تھا محبت..... محبت۔ دوسروں کی محبت۔ دوسروں سے محبت اچھے محبت دینے کا نہیں پتا تھا۔ حقوق کیا ہوتے ہیں۔ فرائض کس کا نام ہے پھر مجھے

ماہنامہ پاکیزہ

سہیلیوں کی گید رنگ ایسی ملی کہ میں اپنی اقدار، روایات سب کچھ بھول گئی۔ کوئی روک ٹوک نہیں..... مجھے بے دریغ پیسہ اور آزادی ملی..... میں بد سے بدتر ہوتی چلی گئی جب مجھے رہنے کا احساس نہیں تھا تو محبت کیسے دیتی۔ میں صرف اخلاق کے حساب سے گری ہوئی تھی۔ میں بری نہیں تھی۔ میری تربیت ہی نہیں ہوئی تھی، گھر تو تھا مگر میری تربیت کرنے والے نہ تھے۔ وہ ہاتھ نہ تھے جو غلط راہ پر چلنے سے روک لیتے۔“ سر جھکائے دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔ زبیدہ رحمن دم بخود دن رہی تھیں۔

”برسوں گزر گئے پاپا کی شکل دیکھے۔ ان کی گود میں سر رکھے نہیں پیار کرنے کا سوچتے آپ تو جانتی ہیں کہ وہ میری شادی پر چند دنوں کے لئے آئے تھے۔ مجھے گھر داری کا سلیقہ نہیں تھا۔ رشتے ناتے کیسے ضابطے میں رکھے جاتے ہیں مجھے خبر نہ تھی۔ میں نے گھر بیلو ماحول دیکھا ہی نہیں تھا۔ آٹنی سارہ کو کبھی اہمیت ہی نہیں دی تھی بس گورنس سمجھا تھا۔ بچپن سے ان کا ہی چہرہ دیکھتی آ رہی تھی۔ کاش میں نے ان کی صحبت سے فیض اٹھایا ہوتا تو اب در بدر نہ ہوتی۔ انسان ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہے۔ آپ کی شخصیت نے مجھے بدل دیا۔ عباد ٹھیک کہتے تھے کوئی برا نہیں تھا۔ ان کی امی، بھابی، بہنیں۔ میں بری تھی ان کی زندگی کے قابل نہ تھی۔“ اس کی آواز بھرا گئی۔ خشک آنکھوں سے دیکھا۔

”مجھے گھر اور راستہ بدل لینا چاہیے۔“ اس کے وجود میں غبار بھر رہا تھا۔ ”میں نے کسی گناہ کے بوجھ کو چھپانے کے لیے اس گھر میں قیام نہیں کیا۔ مجھے حقیقت میں آپ سے محبت ہو گئی تھی۔ یہ زندگی ہے یہاں حساب کتاب یونہی چلتا ہے.....“ اس کے لہجے میں اعتراف تھا۔ ”جب آپ لوگ محبت دیتے تھے تو میں پتھر تھی۔ آج جب میں محبت سیکھ کر محبت بانٹنا چاہتی ہوں تو آپ لوگوں کو ضرورت نہیں، مجھے گلہ نہیں۔ دھیرے دھیرے گزرتے وقت نے مجھے حقیقت سے روشناس کرا دیا ہے، مجھے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر رہا ہے۔ خوابوں کے سہارے زندگی نہیں گزرتی اسی لیے میں نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ دھیرے سے اپنے ماتحتوں میں ان کا

گرم محبت آمیز صحت دیتا ہاتھ تھا ملایا۔

”آپ بھی مجھے معاف کر دیجئے گا۔“ دھیرے سے اس کا سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ ان کا دل بھرا رہا تھا۔ آنکھیں نم ہو گئیں۔ وقت نے اس لڑکی کی قسمت میں جانے کیا لکھ دیا تھا۔

”وقت نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔ مجھے کسی سے شکایت نہیں کچھ میری تقدیر اور کچھ میرے اعمال۔“ زبیدہ رُمن کا صحت آمیز ہاتھ اس کے بالوں پر ٹھہر گیا۔ ان کے اختیار میں کیا تھا، کچھ نہیں سب زور و جبر کر کے دیکھ لیا۔ عباد کا دل پتھر ہو گیا تھا۔ مانتا ہی نہیں تھا۔ اب اس نے شادی کر لی تھی تو پیچھے کیا رہ گیا ان کے خاندان کو گرہن لگ ہی گیا تو اچھا ہے عباد اسے طلاق دے دے۔ لڑکی ذات ہے گھر بسا لے گی۔ زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔ کیا پتا..... کتنی ہے تنہا جیون نہیں گزرتے۔

☆☆☆

”تم کہیں نہیں جا رہی سناتم نے“ رُمن صاحب اس کے سر پر کھڑے تھے اس نے سر جھکا لیا۔ ”جب تک تمہارے والد نہیں آ جاتے۔“ اسے اندر ہی اندر خدا کی تدبیر پر پیار آ گیا۔ وہ کسی بندے سے غافل نہیں۔ رات سوچ رہی تھی اس کے پاس کتنے پیسے ہیں۔ آنی کے لئے تک اسے انتظار کرنا تھا۔ اس کے پاس زیادہ رقم نہیں تھی اور اب..... نگاہ اٹھا کر کمرے کے وسط میں کھڑے رُمن صاحب کو دیکھا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

”ابھی وہ احمق اعظم آ نہیں رہا تم ادھر ہی رہو۔“

”جی!“ شایان نے دھیرے سے اقرار میں سر ہلایا۔

☆☆☆

انہی دنوں جب شایان نے صبر و تحمل کی سل سیٹ پر رکھے کاتب تقدیر کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیا تھا کہ اک اندوہناک خبر نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ خود زبیدہ رُمن بھی راکت رہ گئیں۔

”عباد کی بیوی مر گئی۔ ایک بیٹے کو جنم دے کر۔“

”یا اللہ..... میں نے تو کوئی بد دعائیں نہیں دی۔ تیرے لیے پُر عمل کیا پھر..... یہ کیا ہو گیا؟“

ماہنامہ پاکیزہ

”امی، فی الحال میں نہیں آ سکتا حزنہ کو آپ کے پاس بھجوا رہا ہوں۔ اب آپ نے اسے پالنا ہے۔“ اور وہ ششدر رہ گئیں۔

”میں آپ کی نافرمانی کرتا رہوں گا مجھے سزا ملتی رہے گی۔“ وہ چپ اور ساکت تھیں یہ کیا ہو رہا ہے۔

اور پھر حزنہ آ گیا۔ ننھا منا، خوبصورت سا، اسکاٹے بلو کمبل میں لپٹا، انگوٹھا چوستا اور آنکھیں بند کیے دنیا و مافیہا سے بے خبر۔ عباد کا دوست لے کر آیا تھا۔ عباد کا بیٹا! شایان نے بھی دیکھا اور بس خالی الذہن ہو گئی۔ کاش، کاش.....

”پتا نہیں یہ عباد کیا کرتا پھر رہا ہے۔“ رُنا بھابی نے کہا ”کچھ سوچنا چاہیے تھا اسے۔“ شایان کا دل دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ جتنے مانتی ہی باتیں تھیں۔

رات کو زبیدہ رُمن نے شایان کو اپنے کمرے میں بلایا۔

”شایان یہ عباد کا بیٹا ہے۔ اسے تم پا لو گی تم سے بہتر اسے کوئی نہیں پال سکتا۔“

”جی.....؟“ وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ ”کیا کہہ رہی ہیں آپ؟..... میں“

”ہاں، تم..... لو۔“

”نہیں امی، میں تو۔“ وہ تھیز زدہ تھی۔

”ہاں، کیا ہوا ہے تمہیں؟“

”امی۔“ وہ ان کے پاس بیٹھی۔ ”جب عباد مجھے

قبول نہیں کر رہے تو۔ وہ کیسے اپنی اولاد کو میری گود میں

دے سکتے ہیں، میں اتنی بری ہوں کہ..... وہ.....“

”تم کتنی بری ہو تم مجھ سے پوچھو۔“ زبیدہ رُمن نے

محبت سے اسے ساتھ لگا لیا۔

”کوئی انسان برا نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف، اس

کی عادات بری ہوتی ہیں اور وہ شخص تو فرشتہ ہوتا ہے جو

اپنی غلطی کو تسلیم کرے اور تمہیں یہ ذمے داری اس لیے

سونپ رہی ہوں کہ تم مجھے عزیز ہو گئی ہو۔ تمہارے لیے

میں عباد سے لڑ سکتی ہوں۔ تمہیں ہمیشہ اس گھر میں دیکھنا

چاہتی ہوں اور.....“ کاٹ میں لیٹے حزنہ کو دیکھا۔

”بچے پل ہوتے ہیں ماں باپ کے درمیان رابطہ

”کیا.....!“ رعنا بھابی۔ راحہ بھابی اور ندا بھابی نے اس خبر کو بے یقینی سے سنا کہ عباد کے بیٹے حمزہ کو اب شایان پالے گی۔

”اگر یہی کرنا تھا تو عباد کو اتنی دور جانے کا ڈراما کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کہاں تو عباد شل نہیں دیکھنا چاہتا تھا اور اب اتنی بڑی ذتے داری..... اعتماد کیسے کر لیا اس کی تربیت پر جو خود غیر تربیت یافتہ ہو۔“ رعنا بھابی کے انداز میں تفرقہ شایان کے لیے ان کی نفرت کم نہیں ہوئی تھی بلکہ بڑھی تھی۔ فارہ کا جہاں رشتہ ہو رہا تھا وہ رشتہ انہیں قطعی پسند نہیں تھا۔ انہیں تو عباد کے ساتھ فارہ ہی جتنی تھی مگر نہ درمیان میں شایان آئی اور نہ ان کا راستہ رکتا۔

ایک سبیل پیہا ہوئی تھی کہ عباد نے دوسری شادی کر لی..... انہوں نے دل برداشتہ ہو کر فارہ کا رشتہ طے کر دیا۔ آخر تک وہ انتظار کر سکتے تھے۔ وہ چاہتی ہی نہیں تھیں کہ شایان اس گھر میں رہے۔ اس لیے کبھی اسے پرسکون رہنے نہیں دیا کہ اب پھر اس کے ہمیشہ کے رہنے کا انتظام ہو گیا مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری۔

”امی..... حمزہ کے لیے گورنس کا انتظام ہو سکتا ہے۔“ ناگوار کی کشنیں ان کی پیشانی پر قلم تھیں۔

”کیوں بیٹا، جب گھر میں بیٹیاں موجود ہیں تو گورنس کی کیا ضرورت ہے؟“ اپنی بہوؤں کے ساتھ ان کا لہجہ شائستہ اور حلیمی لیے ہوتا تھا ان کی زندگی کا مؤقف تھا کہ انسان جب تہذیب یافتہ اور تعلیم یافتہ ہے تو اس کے لب و لہجہ، طریقے، سلیقے سے ظاہر بھی ہونا چاہیے۔ ناپسندیدگی کے باوجود ساس بہو کے جھگڑے کو ہم نے خود ختم کرنا ہے۔ رعنا کی مخالفت کو وہ سمجھ گئی تھیں۔

”بے شک امی مگر ہماری اپنی ذتے داریاں ہیں۔ بچے بڑے ہو رہے ہیں ان کی تعلیم، تربیت، ان کے کام، ان کی فکریں.....“

”تو اس کے لیے شایان ہی کافی ہے۔“
”وہ..... نا اہل عورت..... ہونہ جس کی زندگی میں تہذیب اور تہذیب نام کی چیز نہیں۔ میں تو حیران ہوں یہ فیصلہ ہو کیسے کیا۔“

”ضروری نہیں ہے بیٹا نا اہل ساری عمر نا اہل ہی

اگست 2007ء

کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ سوتیلی ہی سہی ماں تو ہوتا۔“
”امی.....!“ وہ گنگ ہو گئی۔ اسے عباد کی واپسی، عباد کی محبت بغیر کسی قرض کے چاہیے تھی۔ اسے بدلہ نہیں چاہیے تھا۔ بے لوث محبت چاہیے تھی۔ زبیدہ رکن اسے دیکھے گئیں۔ آنکھ کی پٹی میں پانی رخص کر رہا تھا۔ آنسو عرصہ ہوا اس کی آنکھوں میں ٹھہر گئے تھے۔ بہتے نہیں تھے اور ٹھہر ہوا آنسو بہت دکھ سینے ہوتا ہے۔
”میں اس قابل نہیں۔“ وہ جھک کر چھپے ہوئی۔

”تھیں اب کہیں نہیں جانا، یہ میرا فیصلہ ہے۔ تمہارے جانے کے فیصلے نے مجھے بے حد دکھ دیا ہے۔ پیار کر ڈالا۔ لو سنبھالو..... اب میری عمر بچے پالنے کی نہیں ہے اور نہ بچے سنبھالنے کی۔“ نلے کبل میں چھپا پنہا مناسا وجود اس کی گود میں رکھ دیا جسے بشکل سنبھالا۔

”امی! یہ بہت بڑی ذتے داری ہے۔“ شایان بے بسی سے بولی۔
”اور اس کی اہل تم ہو۔“ وہ جانے کیوں خوش تھیں۔

”عباد سے پوچھ لیں میں اہل ہوں یا..... نہیں.....؟“ شایان نے کہا۔

”اس سے تو میں ایک ساتھ ہی پوچھوں گی کہ اہل ہے یا نہیں“ اس کی گود میں سینے بچے کو محبت سے دیکھا۔ بچہ کسمسار ہا تھا۔

”جاؤ اس کا فیڈر لے آؤ۔“ وہ گولو کی حالت میں انہیں دیکھتی ہوئی بچے کو دوبارہ ان کی گود میں دے کر اٹھ گئی۔ وہ تو یہاں سے جانے کے ارادے پر قائم تھی کہ یہ زنجیر اس کے پاؤں سے لپٹ گئی۔

”یا اللہ جب، جب میرا قیام، میرا رزق اس گھر سے وابستہ ہے تو ان کے دلوں کو بھیر دے پھر سے..... ہاں پھر سے اس کی شخص کے دل میں میری محبت بھر دے پھر سے میں اس کے دل سے قریب ہو جاؤں۔“ پانی چھلنے پر دکھ کوہ فیڈر رکھ لے لگی۔

☆☆☆

”اچھا.....“

”نہیں بھئی.....“

ماہنامہ پاکیزہ

رہے۔ کچھ کی عمر تو تازہ زندگی رہتی ہے اور اب تو شایان بچے کی جیسی ہی لگتی ہے۔“

”مجھے جیسی..... سات جنم بھی لے، لے تو مجھے جیسی نہیں بن سکتی۔ اس کا کردار، اس کی گید رنگ اور اس کا اطلاق کیا ان چند سالوں میں بھول گئیں آپ.....؟“

”ہاں! ہمیں ان سب باتوں کو بھول جانا چاہیے۔ جن کا وجود باقی نہ ہے، ہمیں اچھا یوں کی اور اچھے رویے کی قدر کرنی چاہیے۔ ہمیں کسی کو بیٹہ اس کے ماضی کے آئینے میں نہیں دیکھ سکتے۔ اس کا حال بھی ہمارے لیے اہم ہونا چاہیے اور میرے خیال میں رعنا تمہیں بھی اپنے غم کو کم کر دینا چاہیے۔“ رعنا نے منہ پھیر لیا۔ ”بلا وجہ کا غصہ حرام ہے۔ غصہ ہماری شخصیت کو گھن لگا دیتا ہے۔ اپنے دل اور ظرف کو بڑا کر کے دیکھو رات محسوس ہوگی اور پھر معافی طلبی کے راستے پر تو کچھ رہنا ہی نہیں چاہیے۔“

”امی جب عباد کا دل سخت ہے تو میرا دل بھی پتھر ہو گیا ہے۔ مجھے وہ اچھی نہیں لگتی۔ آپ خواہنا وہ اسے..... رکھنا چاہتی ہیں۔“ زینبہ رعنا نے رعنا کی ناگواری کو محسوس کیا اور چپ ہو گئیں ان کے اندر ایک گہری سوچ نے جنم لیا۔

☆☆☆

قدرت کی اس فیاضی پر، اس انصاف پر شایان بے حد حیران تھی۔ عباد کا بیٹا..... اس کی گود میں..... کیا وہ اس قابل تھی۔

اس نے تو کہا تھا۔

”اچھا ہوا..... تم ماں نہیں بنیں ورنہ ماں جیسی اولاد کو جنم دیتیں۔ ہے کیا تمہارے اندر..... اس چہرے کے“

”عبا..... د.....“ بے چینی اور بے تابانی اس کے وجود کے پاتال سے ابھری۔ ”اب..... اب آئیں اور ہمیں میں سرتاپا بدل گئی ہوں۔ آپ کی محبت میں..... آپ کی چاہت میں آپ کے عشق میں۔“ بے اختیار ننھے ننھے وجود کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ محبت کیسی تن آور ہو گئی ہے۔

”اک بار.....“ بے بی لوشن اور بے بی پاؤ ڈر

اس کے دن رات بدل گئے۔ مصروفیات بدل

اہم ہو گئے

گئیں۔ طعنے، تشنہ، کیسلے انداز اور کٹیلے لہجے محسوس ہی نہیں ہوتے اب وہ کسی اور دیار میں، کسی اور مکاں میں ہو چسے۔ عباد کا بیٹا۔ دوسری عورت کے گھٹن سے۔ اسے حسد نہیں ہوا۔ حمزہ کو اس نے دل سے لگا لیا اور دھیرے دھیرے اس میں سمٹ گئی۔ اک نیا جہان اس کے گرد آباد ہو گیا۔

☆☆☆

آئی سارہ حیرت سے اسے ننھے سے حمزہ میں گم دیکھ رہی تھیں۔ اس کے کام، اس کا فیڈر..... اس کا سپر اور اس کی نیند..... بنا آہٹ کے کام چہرے پر قوس قزح کے رنگ۔ اک انہونی سی چمک، تھکاوٹ نہیں، بلکہ سے حلے میں، مک مک سے بے نیاز، مٹا لے سے لباس میں۔ چمکتے چہرے کے ساتھ جس کی آنکھوں میں ابھی بھی پانی ٹھہرا ہوا تھا۔

بہت عرصے بعد وہ آج اس سے ملنے آئی تھیں۔ شایان تو جب سے آئی اس نے پلٹ کر خبر نہیں لی۔ ٹیلی فون پر بات ہوتی رہتی تھی۔ حمزہ کو سلا کر وہ ان کے پاس آ کر ان کے قدموں میں کارپٹ پر بیٹھی اور ان کے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر انہیں دیکھا۔ سیاہ پتلیاں پانی کی جھلیوں میں تیر رہی تھیں۔ ذرا سادہ بانے پر جھمرنا پھوٹ پڑتا تھا۔

”پاپا کیسے ہیں؟ آئے نہیں۔ ان سے کہیں مجھے فون کر لیا کریں۔“ وہ بس اسے دیکھے جا رہی تھیں۔ یہ وہ شایان تو نہیں۔ چنچل، شوخ و شریر، شرارتی، سہیلیوں کے ہجوم میں رہنے والی، ہر دم ٹیک، پارٹیز، سیر سپاٹے، کرنے والی۔ بدل تو وہ گئی تھی مگر اتنا بدلے گی ان کے گمان میں بھی نہیں تھا ان کی نگاہ کے سوالوں سے بچنے کے لیے گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔

”شایان!“ انہوں نے دکھ سے پکارا۔

”جی!“ متا کا کس سر پر ٹھہر گیا۔ دل میں رونے اور شدت سے سکھنے کی خواہش جاگی۔ وہ ان سے کچھ نہیں چھپا سکتی تھی۔

”تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ عباد ملک سے باہر چلا گیا ہے اور واپس نہیں آیا۔“ وہ چپ رہی۔ ”تم نے اس کی اولاد کو کیوں قبول کیا؟“ شایان کا دل کانپ

یقین تھا۔ ان کا دل دکھ سے بھر گیا۔ جانے اس کی قسمت میں کیسے تباہی کے دکھ تھے۔

”یہ میرا کفارہ ہے، میری محبت کی انتہا۔“ سر جھکا کر دھمے سے کہا۔

”شایان!“ اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”آپ ہی اسے سمجھائیں! آئی خالی خالی محبت سے

پیٹ بھرتا ہے اور نہ زندگی گزرتی ہے۔ دل و نگاہ سے

اترے ہوئے لوگ کبھی وہ مقام نہیں پاتے ہیں۔“ رعنا

بھابی شاید ان کی باتیں سن رہی تھیں اندر آ گئیں۔ دونوں

چونک گئیں۔ ”لا حاصل امید بہار ہے۔ عباد کے نام کا کوئی

پھول نہیں کھلنے والا بہتر ہے کہ آپ اسے لے جائیں۔“

آئی اس کھلی مخالفت پر ہکا بکارہ گئیں۔

”اسے میں بچپن سے دیکھ رہی ہوں۔ وہ ایسا ہی

ہے۔“

”بھابی پلیز!“ شایان نے سرا سمگی کے سے انداز

میں انہیں دیکھا۔

”میں عباد سے بھی بات کر رہی ہوں کہ یہ کیا طریقہ

ہے۔ کسی کی زندگی برباد کرنے کا۔ فیصلہ کر دتا کہ تمہیں بھی

اپنی زندگی گزارنے کا موقع ملے۔“

”بھابی! جس زندگی کی خواہش مجھے ہے میں گزار

رہی ہوں، مجھے عباد کا نام چاہیے اور کچھ نہیں۔“ رعنا بھابی

بھر پور نفرت کے ساتھ اسے گھورتی رہیں ان کے اندر آگ

سی جل رہی تھی۔ یہ لڑکی پھر سے جیت رہی تھی حمزہ کے

حوالے سے مقام بننا ہی تھی اور..... اور.....

”آپ خود فیصلہ کریں! آئی۔“ اب وہ آئی سارہ

سے مخاطب ہوئیں۔ ”نہ کتنی غلطی کر رہی ہے جب احساس

ہوگا تو زندگی گزر چکی ہوگی۔ ابھی وقت ہے دوسری شادی

کا، عباد سے طلاق لے کر.....“

”بس کریں آپ!“ اس کا لہجہ خنج گیا۔

”پلیز.....!“ اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔ ”رحم کریں مجھ پر

آپ کا کیا لیتی ہوں۔ معاف کر دیں مجھے۔ معاف کر

دیں۔“ حمزہ کو دیکھنے کے لیے آئی زبیدہ رجن نے

دروازے پر رک کر ساری گفتگو سنی اندر آ کر سارا منظر

دیکھا۔ شایان کا جھکا ہوا سر۔ بندھے ہوئے ہاتھ۔ رعنا کا

گمراہی۔ ”شایان!“ رنجیدگی بھرے دکھ سے دیکھا۔ ”وہ تو

کبھی تمہارا تھا ہی نہیں بچے اور تم جانے کس گمان میں

رہیں۔ وہ تو جانے تمہیں کب کا چھوڑ چکا ہے اور تم.....“

”آئی..... اس کا دل سکا۔“ میں ان کے گھر میں

ہوں۔ ان کے نام سے ہوں پھر کیسے چھوڑ دیا۔ اب تو ان

کا بچہ میری گود میں ہے۔ مجھے ان سے بے انتہا محبت

ہے۔“

”اس کے دل میں تمہاری کتنی جگہ ہے زبردستی کے

قیام سے گھر نہیں بستے۔ کیا زندگی اس امید..... اور خالی

وجود کے سہارے گزر سکتی ہے۔ تم نے مجھے بے خبر کیوں

رکھا۔ ماں نہیں تو کیا ہوا۔ ماں جیسا سمجھ تو سکتی ہوتا۔“ خطکی

سے اسے دیکھا۔

”آئی.....“ دھیرے سے ان کے ہاتھوں کو چوم

لیا۔ آپ میری ماں ہیں۔ مجھے آپ نے قدم قدم پر سہارا

دیا ہے۔ سمجھایا ہے میں غلطی پر تھی۔ ڈوبنے سے آپ نے

بچایا۔ عباد کی محبت میرے روم روم میں سرایت کر گئی ہے

اس سے بچھڑنا میرے اختیار میں نہیں جب کہ قدم قدم پر

یہاں خازنہ راستے ہیں۔ امی کی بے تحاشا محبت نے مجھے

سمیٹ لیا ورنہ شاید میں جلی ہی جاتی یہاں سے۔ وہ بہت

عظیم خاتون ہیں یہ جانتے ہوئے کہ میں نے ان کے بیٹے

کو ہرٹ کیا، ان کے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا

انہوں نے ایک بار معافی مانگنے پر معاف کر دیا حالانکہ گھر

والوں نے مجھے معاف نہیں کیا۔“

”اور..... اور شایان..... عباد نے۔“ اس کے

ہاتھوں میں خفیف سی کپکپاہٹ ہوئی۔ ”اس نے معاف کر

دیا کیا؟“

”وہ بھی معاف کر دیں گے جب ان کا دل صاف

ہو جائے گا۔“

”اس کا دل کبھی صاف نہیں ہوگا بہتر تمہارے لیے

یہ ہے کہ سب کچھ ختم کر دو۔“

”نہیں..... آئی! بالکل بھی نہیں اس گھر سے نکل کر

میں مر جاؤں گی۔ انہوں نے مجھے اعتماد کے قابل سمجھا ہے تو

ان کا بچہ میری گود میں ہے نا۔ بچے تو پل ہوتے ہیں ان

کی محبت پھر سے مجھے حاصل ہوگی۔“ اس کے لہجے میں

ماہنامہ پاکیزہ

کر دے اٹھا اور سارہ کا ہاتھ پکڑا سا انداز۔

”رہنا!“ انہیں شرمندگی اور غصہ ایک ساتھ آیا۔

”جی“ وہ گڑبڑا کر پیچھے ہٹیں۔

”تم نے کب سے اس گھر کے فیصلوں میں دخل اندازی شروع کر دی۔“ ان کے چہرے پر ناگواری تھی۔

”ای میں دراصل.....!“

”ابھی تو ہم زندہ ہیں۔“ شایان کے ہاتھ کٹے ہوئے شہیر کی طرح گود میں گرے اور اس نے آئی کی گود میں منہ چسپایا۔

”شایان نے اس گھر میں رہنا ہے ہمیشہ اگر اس نے جانا ہوتا تو واپس آئی ہی نا..... یہ عیاد کی محبت ہے، چاہت ہے، محبتیں ناراض، خفا ضرور ہوتی ہیں مگر ختم نہیں ہوتیں اور جو محبتیں ختم ہو جاتی ہیں وہ محبتیں نہیں خود غرضی، خود پرستی ہوتی ہیں۔ تمہیں یہ بری لگتی ہے تو کوئی رابطہ نہ رکھو۔“ وہ حمزہ کے پاس بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئیں۔

شایان جھٹکے سے سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔ اب ہکا بکا رہنا بھابی ان کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ تو ان کی من چاہی بہو تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ سب کے سامنے بلکہ ان لوگوں کے سامنے ان کی انسلٹ کریں گی۔ انہیں شاک لگا۔ ایک دم سے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

”آپ کچھ برا محسوس مت کیجیے گا۔ یہ تو بس بچے ذرا جذباتی ہو جاتے ہیں۔“ زبیدہ رٹن نے مسکرا کر سارہ کو دیکھا۔

”شایان..... جاؤ مہمان کی خاطر تواضع کے لیے کچھ لے کر آؤ۔“

”جی!“ اس نے خود کو سنبھالا اور کھڑی ہوئی۔

”یہ سو رہا ہے، اٹھا نہیں۔“ حمزہ کو جبک کر دیکھنے لگیں۔

شایان انہیں دیکھتی باہر نکل گئی۔ اس کی خاطر انہوں نے رعنا بھابی کو سرزنش کی۔ ان کی قدر و منزلت دل کے ایوانوں میں بڑھ رہی تھی۔

”تم..... تم! اتنا کچھ سہہ رہی ہو اور پھر بھی یہاں ہو جب کہ یہ لوگ.....“ جاتے وقت جب شایان انہیں گیٹ تک چھوڑنے جا رہی تھی اس کا ہاتھ تھام کر ہاسف سے اسے دیکھا۔

”جی آئی۔“

”اتنا کچھ سننے کے باوجود..... شایان نے رشتی پکوں کو چمپا کر انہیں دیکھا۔

”اتنا کچھ سننے کے باوجود اس لیے آئی کہ میں نے ان کے ساتھ کم نہیں کیا۔ طرح طرح کے الزام لگائے در بے گوی کی، غلط بیانی سے کام لیا۔ مجھے اتنی بڑی فیملی میں رہنے کا سلیقہ طریقہ نہیں تھا جو کچھ بھی ہونا دانستگی میں نا بھی میں ہوا۔“ اس کی آواز بھرا گئی۔ دھیرے سے لب کاٹ کر انہیں دیکھا۔ اک بار پھر وہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔

ضبط نفس کی کس اسٹیج پر کھڑی تھی اپنا ظرف خود ہی آزماری تھی۔ آنکھوں میں پانی تیر رہا تھا مگر رخسار پر ڈھلکے کی اجازت نہیں تھی۔

”یہ میرا کفارہ ہے آئی۔ دل دکھانے کی سزا..... خدا اور بندوں کو ایک ساتھ راضی کرنا ہے خدا کے بغیر بندے راضی نہیں ہوں گے۔ بندوں کے حقوق پورے نہ ہوں گے تو خدا راضی نہیں ہوگا۔“

”شہنی“ بے اختیار اسے گلے لگا کر چوم لیا۔ ان کے آنسو بہہ نکلے۔ ”ایسی باتیں کہاں سے سیکھ لیں؟“

”کتابوں سے، کتابوں نے مجھے وہ کچھ سکھایا ہے جو میں انسانوں سے نہ سیکھ سکی۔ شوہر کی ناراضی سے تو عبادت قبول نہیں ہوتی، آئی۔ میں انہیں منانا چاہتی ہوں، بلانا چاہتی ہوں مگر.....“ اس نے دانتوں سے ہونٹ کترتے ہوئے ہونٹ کاٹا۔ ”مجھے پیا منانے کا ڈھنگ نہیں۔“ درد بھری ہنسی حزن میں ڈوب کر ابھری۔ آنٹی سارہ نے غم پکوں سے اس کی پیشانی چوم لی۔

”میرے لیے دعا کیجیے گا آئی۔“ شایان ان کے گلے لگ گئی۔ ”خدا میری ریاضتوں، عبادتوں کو قبول کر کے مجھے عباد واپس کر دے۔ ان کا دل میری جانب موڑ دے۔“ اس کے رویے سے لمحہ لحان کا سینہ دکھ سے بھر رہا تھا۔ اس کے دل کی سسکیاں وہ اپنے سینے میں محسوس کر رہی تھیں۔ دل سے اس کی خوشیوں کے لیے دعا نکلی۔ سکھ کی چھاؤں اور خوشی کے پھول کھلیں۔

☆☆☆

موسم دھیرے دھیرے بدل رہا تھا تو وقت تیزی

عزیز ہاتھ اس کا کام تو گزرتا ہی ہے۔ وہ کب کسی کے لیے غبرتا ہے۔ حمزہ کو سنبھالتے سنبھالتے وہ خود سے غافل ہوتی جا رہی تھی۔ اس روز اس کے بدرنگ کھسے ہوئے کپڑے دیکھ کر زبیدہ رحمن چونک گئیں۔

”شایان، میں نے تمہارے لیے کپڑے سلوائے تھے پہنے نہیں۔“ وہ دھیرے دھیرے حمزہ کو سلا رہی تھی چونک گئی۔

”ٹھیک تو ہیں کپڑے۔“ نگاہ چرالی۔

”کیا رنگ اور سلائی پسند نہیں آئی؟“

”نہیں امی..... ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ کبیل

”ایک کر کے وہ پیچھے بنی۔“

”میرے پاس جو کپڑے ہیں بس وہی کافی ہیں امی برے لیے مت بنوایا کریں۔ طہارت اور پاکیزگی کے لیے سادہ اور صاف کپڑے ہی بہت ہیں۔ میں نے کسے دکھاتا ہے۔“ اس کے اس ایک جملے میں جانے کیا تھا کہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔ اس لڑکی کے صبر و ضبط اور ضبط نفس نے انہیں بے حد متاثر کیا تھا۔ عبادت گزار، تہجد گزار، دن کی روزے سے ہوتی سارے کام اور حمزہ اس کے علاوہ سرد گرم سہنا اور چپ رہنا۔ اس کا مزاج دیکھ رکھا تھا۔

پس اس کا شیوہ نہ تھا مگر..... دھیرے سے گہرا سانس لے کر منہ موڑ لیا۔

”اے اللہ! میرے سنگ دل بیٹے کے دل میں رحم و رحمت ڈال دے اس بچی کو خوشیاں لوٹا دے۔“ ان کے دل سے دعا نکلی۔

☆☆☆

”کب تک ماں کو ترسائے گا تو آ کیوں نہیں باتا۔“ خاص طور پر عباد کو نون کروایا رحمن صاحب سے۔

بسا اے ڈپٹ رہی تھیں۔

”نعم البدل بھیج تو دیا ہے اپنا۔“ وہ ہنسا۔

”تیرا بچپن ہو سکتا ہے مگر بدل نہیں عباد۔ ماں کی ہاتھ کب تک ترے گی۔“

”امی میری جواب.....“

”کیا نوکری ماں سے ملنے کی اجازت نہیں دیتی یا

ماہنامہ پاکیزہ

تیرا دل میرے لیے بھی سخت ہو گیا ہے۔“ انہیں غصہ آیا۔

عباد کو ان کے لفظوں نے چونکا دیا۔ (وہ کسی ہے اب، کیا حال ہے۔ اس کی ناگواری، ناراضی کے باوجود نہیں تو) ”آ جاؤ عباد..... ایسا نہ ہو کہ ماں کے مرنے پر بھی زندہ نہ ہو۔“

”اللہ نہ کرے امی کیسی باتیں کرتی ہیں۔“ وہ دہل گیا۔ ”اچھا میں آفس سے چھٹی کی بات کرتا ہوں۔“ تسلی دی۔ ”حمزہ کیسا ہے اس کی تصویریں تو بچھو اے؟“

”آ کر دیکھ لو۔۔۔۔۔۔ عباد بھی بھی مجھے لگتا ہے یہ تیرا بیٹا نہیں۔“

”ہیں.....!“ وہ گڑبڑایا۔ (ماں کو سچ کی خبر کیسے ہوئی) ”کیا کہہ رہی ہیں۔“

”بس مجھے لگتا ہے۔“ لہجہ میں یقین تھا۔

”اچھا امی.....! خدا حافظ اپنا خیال رکھیے گا۔ کارڈ ختم ہو رہا ہے۔“ ساتھ ہی لائن کٹ گئی۔ بہت دیر تک وہ کچھ سوچتی رہیں۔

☆☆☆

حمزہ دھیرے دھیرے بڑا ہو رہا تھا۔ اس نے پاؤں پاؤں چلنا شروع کر دیا تھا۔ ما..... ما..... کہنے لگا تھا۔

ما..... اس کی ذات..... اتنا بڑا رتبہ..... اس کی پلکیں جھکنے لگیں۔ بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ حمزہ کھلکھلا کر ہنسا اور زیادہ زور زور سے ما..... ما..... کہنے لگا اور لاؤنج سے گزرتی راحمہ ٹھک گئی۔ کیسا انداز بے خودی تھا۔ بے اختیار اسے دیکھے گی۔

اس لڑکی کی خاموشی۔ چپ اور استقلال نے انہیں بہت متاثر کیا تھا کام، کام اور کام۔ سر جھکا کر کام کرنا اور چپ رہنا، پلٹ کر جواب نہ دینا۔ کسی زمانے میں یہی کتنی زبان دراز، چب زبان اور جھگڑالو ہوتی تھی۔ اس کی باتیں اور اس کے انداز اور اب اپنے کام سے کام رکھتی تھی۔ عباد کے بغیر کیسے رہی۔ اس کی نفرت تو ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ اس کے بیٹے کو کیسے گود میں بھر لیا تھا حمزہ سے کھیلتے کھیلتے راحمہ بھابی پر نگاہ پڑی۔

”کوئی کام تھا بھابی.....؟“

”آہ..... ہاں..... نہیں تو.....“ ان کے انداز

سے الگ ہونے کی غلطی نہیں کر سکتا انہیں سرنگوں کرنا ہی تھا۔ اس لیے گھر کا ماحول قدرے بہتر تھا۔

وہ کھانا ابھی بھی ڈانٹنگ ٹیبل پر ان کے ہمراہ بیٹھ کر نہیں کھاتی تھی۔ کھانے کے دوران سرور کرنے میں مصروف رہتی۔ بانی کا جگ، گلاس، بوتل، سالن کے ڈونگے دوبارہ بھر کر لانا۔ روٹیوں کی کمی بیشی وہ احسن طریقے سے پوری کرتی۔ کافی بہتر کھانا پکا لیتی تھی۔ زبیدہ رحمن ساس ٹھیں مگر ماں بن کر لمحہ بہ لمحہ اس کے ساتھ رہیں۔ وہ ان کی بے حد شکر گزار تھی۔ ورنہ ساسیں کب یاں بنتی ہیں وہ خود بے حد نفیس اچھی اور مہربان خاتون تھیں۔ شایان ان کی دل سے قدر کرتی تھی۔

☆☆☆

اس روز موسم بے حد سرد تھا۔ بارش کے بعد ٹھنڈک میں اضافہ ہو گیا۔ حمزہ کو فلو اور بخار ہو رہا تھا۔ اسے چیک کرنے کیلئے ڈاکٹر خرم اصفہانی گھر آئے تھے۔ موسم کا اثر کہہ کر معمول کی دوا میں دیں۔ سوتے میں بھی وہ سخت بے چین تھا ساری رات اسے گود میں لے کر گزاری مگر ماتھے پر شکن نہیں آئی۔

صبح وہ سو رہی تھی کہ ہلکے ہلکے شور سے آنکھ کھلی حالانکہ آج چھٹی کا دن تھا۔ مانوس سی آواز پر بے ساختہ اٹھ کر دروازہ کھولا۔ ذرا سراسر نکال کر باہر جھانکا اور وہیں ساکت اور دم بخود ہو گئی۔

نیچے لاؤنج میں عباد بیٹھا تھا۔ امی کی گود میں سر رکھے۔ قدرے فاصلے پر رحمن صاحب تھے، راحہ بھابی قدرے فاصلے پر تھیں۔ ہما اور فیضی صوفے پر بیٹھے تھے۔ امی رو رہی تھیں اور عباد انہیں منارہا تھا۔ وہ آگیا تھا جس کے لیے بے تحاشا دعائیں مانگتی تھیں۔ خدا کے حضور گڑ گڑا کر اسے گناہوں کی معافی مانگتی تھی۔ وہ آگیا تھا۔ اس کی دعائیں قبول ہو گئی تھیں یا پھر آسمان کے ایوانوں سے ٹکرا کر پلٹ آئی تھیں۔ بے ساختہ پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ خالی الذہن صوفے پر بیٹھی دونوں ہاتھ گود میں رکھے۔ ابھی فیصلہ ہو جانا تھا۔ دھیرے دھیرے ہونٹ کا تکی ساکت و جامد بیٹھی تھی۔ حمزہ ساری رات کی بے خوابی کے باعث اب گہری نیند میں تھا۔

نوٹ کرتی وہ پھر سے حمزہ سے کھیلنے لگی۔
آئی سارہ کا لون آیا تھا گھر بار ہی تھیں۔ اس نے انکار کر دیا۔ حمزہ اپنی دادی، دادا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عباد کے ساتھ اس گھر میں داخل ہوئی تھی اس کے بعد ایک بار بھی اس نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ باہر کی دنیا سے گویا اس کا رابطہ منقطع تھا۔ گھر کی دنیا میں پناہ لی ہوئی تھی۔ کیسی سہیلیاں، کہاں کی پارٹیز سب اڑ چھو ہو گیا۔ اس کا اوڑھنا بچھونا اب حمزہ کی ذات ہو گئی تھی۔ رعنا بھابی کا ہر تیر بے اثر رہا۔ عباد کے حوالے سے نہ سہی۔ حمزہ کے حوالے سے ایک بار پھر اس نے قدم جما لیے تھے۔ انہیں بھی اپنے خوابوں پر صبر کرنا تھا مگر صبر ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔ فاریہ کی شادی ہو رہی تھی۔ اس دن کے امی کے لیکچر کے بعد ان کا رویہ محتاط ہو گیا تھا۔ انہوں نے الگ سے بلا کر تینوں کو، شہکار صاف کہہ دیا تھا شایان نے ادھر ہی رہنا ہے اچھی ہے بری۔ عباد کی دلہن ہے۔ کسی کو اس کی دل آزاری کرنے کا حق نہیں جب کہ وہ معافی مانگ چکی ہے اور اس کے رہنے پر کسی کو اعتراض ہے تو وہ الگ ایکسی میں شفٹ ہو سکتا ہے۔ شایان کی خاطر اک اور انسٹ وہ بیچ و تاب کھا کر رہ گئیں مگر احترام بہر حال ملحوظ خاطر تھا۔

”امی! ویسے آپ لوگ زبردستی اسے رکھ رہے ہیں عباد نے آ کر دو حرف کہہ دیے تو پھر کیا کرے گی حمزہ کو بھی آپ نے اس کے حوالے کر دیا ہے۔ مجھے تو یہ سب کچھ سمجھ نہیں آ رہا کیا مقصد ہے۔ ان سب باتوں کا۔“ ناگواری کا صاف اظہار تھا۔

”عباد دو حرف کہہ دیتا ہے یا نہیں..... یہ الگ مسئلہ ہے۔ وہ غلاق دے گا تو پھر گھر بدمردی اور عاق نامہ لے کر جائے گا۔“ ان کا لہجہ قطعی تھا۔ ”بس میں چاہتی ہوں اس گھر کے تمام لوگ شایان کو دل سے قبول کر کے اس کی دل آزاری کا سبب نہ بنیں۔“ ان کا انداز جتنی تھا سب خاموش تھے۔ ساتھ بننے میں جو سہولت تھی وہ الگ رہنے میں کہاں۔ ہر کام کی ذمہ داری پڑ جاتی۔ یہاں تو مختصر کام ہوتا اپنا اپنا..... اور بھی مل کر کر لیتے پھر اخراجات کی طویل لسٹ۔ رحمن صاحب کی جان تو بچوں میں تھی بچے بھی دادا کے بغیر رہتے نہیں تھے۔ کوئی یہاں

ماہنامہ پاکیزہ

کمرے کا غیر معمولی سناٹا..... اس کا دھک دھک کرتا دل اور گھڑی کی ٹیک ٹیک۔ نیچے کا مدھم مدھم سا شور سنائی دے رہا تھا۔

جانے کتنا وقت گزر گیا۔ حمزہ کروٹ لے کر بیدار ہوا۔ بے ساختہ گھڑی کی جانب نگاہ کی۔ گیارہ بج رہے تھے۔ دو گھنٹے سے وہ یہاں بیٹھی تھی..... تو..... اس کے وجود میں سناٹا پھیلنا چلا گیا۔ حمزہ منہ بسورنے لگا۔ اٹھ کر اس کا فیڈر بنایا اور اسے گود میں لے لیا۔ بخار نہیں تھا اسے تاہم فلو کے اثر سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ فیڈر پی کر وہ ایک بار پھر سو گیا۔ دھیرے سے پیار کیا اور بستر پر لٹا دیا۔ ایک بار پھر اکیلی خاموش بیٹھی رہ گئی۔ لاؤنج کا شور ڈانٹنگ روم میں منتقل ہو گیا تھا آوازیں کم ہو گئی تھیں۔ ایک بار پھر صوفے پر گر گئی۔ تو..... تو..... اس کے دل کی دھڑکنیں کم ہونے لگیں۔

اسے اماں ملی تھی، معافی نہیں۔ اس کے بدترین خدشات..... رعنا بھابی کے واضح نظریات اور..... آئی کے خیالات سب مجسم ہو کر سامنے آ گئے تھے۔ عباد آ گیا تھا مگر اس کے لیے نہیں آیا تھا۔ تو..... تو اس کا وجود کانپ گیا۔ بے ساختہ سینے پر ہاتھ رکھا۔ اس کے اندر سکیاں سی ابھر رہی تھیں۔

وہ اس سے معافی مانگ لے گی۔ قدموں کو چھو کر، بیروں میں گر کر۔ اب حمزہ کے لیے معاف کر دے۔ وہ..... وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بے ساختہ اٹھ کر حمزہ کے پاس جا بیٹھی۔ اس کا ننھا منا سا ہاتھ تھام لیا، چوم لیا۔ دوسرے لمحے چونک گئی۔

”وہ..... وہ..... حمزہ سے ملنے نہیں آیا۔ میں نہ کی حمزہ تو اس کا اپنا تھا، اپنا بچہ۔ اس کی خاطر.....“

”اُف تو.....“ ایک چھٹکا سا ہوا۔ ”یہ..... یہ اس کا اپنا بچہ نہیں۔“ حمزہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا کئی غنڈاٹ اور واہجے اسے ڈرانے لگے۔ خوف کے آنکھیں نے اسے جکڑ لیا۔ حمزہ ایک بار پھر اٹھ گیا۔ اسے گود میں بھر لیا۔

”اسی لیے تو ادھر نہیں آیا ورنہ.....“ تبھی آہٹ

پر بے ساختہ پلٹی۔ ہمارا دروازے میں کھڑی تھی۔ ”چاچی! عباد چاچو آ گئے۔“ اس کے چہرے پر خوشی تھی۔

”اچھا!“ حمزہ کو سنبھالا۔

”آپ ملیں.....؟“ اشتیاق سے پوچھا اور حمزہ کو جھونے لگی۔ ”اتنے پیارے ہو کر آئے ہیں۔ صبح کو سب سو رہے تھے اور اب وہ دادو کے کمرے میں سو رہے ہیں۔“ وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ ہمارے حمزہ کو لے لیا اور باہر چلی گئی۔ گھڑی تین بج رہی تھی۔

”لعلت ہے میری زندگی پر!“ کارپنٹ پر ڈھسے گئی۔ ”لعلت ہے میری زندگی پر!“

کوئی معافی، کوئی کفارہ، کوئی عہدہ قبول نہیں ہوا۔ کیا وہ اتنی گناہ گار تھی؟ دل و نگاہ سے اترے لوگ کبھی دوبارہ جگہ نہیں پاتے۔ وقت کے ساحل پر جو سنگریزے بکھر جاتے ہیں انہیں کوئی نہیں سمیٹتا۔ وہ کیوں یہاں رہ رہی ہے؟ صرف عباد کے انتظار میں اس کی محبت میں چمکا معافی مانگنے کے لیے اور وہ آ گیا تھا۔ معافی نہیں ملی تھی ملتی تو یہاں ضرور آتا۔ وہ امی کے کمرے میں آ کر سو گیا تھا۔ گھر گھما کر کمرے کے در دیوار پر نگاہ کی۔ یہ اماں بھی چھٹنے والی تھی، وہ خالی ہاتھ تھی۔

شدت سے رونے اور سک سک کر رونے کی خواہش جاگی مگر آنسو مدت ہونے آنکھ میں نہیں آئے تھے۔ اس کے گلے میں آنسوؤں کے گولے چھٹنے لگے۔ سکیاں سینے میں پھڑپھڑانے لگیں، دم گھٹنے لگا۔ سینے کو مسلک، گردن دباتی بے اختیار وہ بالکونی کی جانب بھاگی۔ اس کی زندگی کی آکسیجن ختم ہو رہی تھی۔ بھلا آکسیجن کے بغیر کوئی رہ سکتا ہے۔ محبت کی آکسیجن..... آنکھیں جلنے لگیں۔ زمین پر بیٹھی وہ یہ مشکل سانس لے رہی تھی۔ پیاس..... شدت سے اٹھنی پیاس سے وجود میں بول اگا دیتے اس نے زمین پر بیٹھ کر نڈھال سے انداز میں دیوار سے ٹیک لگالی۔ دو بوند پانی کی خواہش پوری کرنے والا کوئی نہ تھا۔

جانے کتنا وقت لگ گیا خود کو نازل کرتے سنبھالتے مگر یوں لگا وجود اندر ہی اندر گویا کٹ رہا ہو۔

جا رہی تھیں۔ زندگی کی سانسیں تھیں، احساس نہیں، دھڑکنیں تھیں مگر جذبے نہیں وہ سزا یافتہ مجرم تھی جسے عمر قید کی سزا ہوئی تھی اور عمر قید کی سزا عمر کی نقدی کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے اور عمر کی نقدی.....! دھیرے سے نگاہ اٹھائی۔ جانے وہ کب کمرے سے چلی گئی تھیں۔ ہمارے جزرہ کو لے کر کھڑی تھی اس کی ساری حیات مفلوج ہو گئی تھیں۔

”دادو پوچھ رہی ہیں آپ نے کھانا کھا لیا؟“

دھیرے سے اثبات میں سر ہلا کر جزرہ کو تھام لیا۔

”چاچو تو بہت گہری نیند سو رہے ہیں۔ اٹھ ہی نہیں رہے۔ چاچو ہم سب کے لیے لکھن لائے ہیں، کہہ رہے تھے کہ اٹھ کر دیں گے۔ اب پتا نہیں کب اٹھیں گے۔“ منہ سورتی اطلاعات فراہم کرنی وہ باہر نکل گئی۔ جزرہ غنودگی میں تھا۔ اس کی گود میں آتے ہی اس کے سینے سے لگ کر سو گیا۔ اسے گود میں لے کر ادھر کارپٹ پر ہی بیٹھ گئی۔

کمرے میں ٹھنڈک اور سینا ساتھ ساتھ محو سفر تھے۔ شایان سفر کے لیے تیار تھی، اس کا بیک ہنوز ڈریسنگ نیبل کی سائڈ پر پڑا تھا۔ ہلکی سی گرد کی تہہ تھی جو اکثر و بیشتر صاف کرتی رہتی تھی۔ اب عرصہ ہوا صاف نہیں ہوئی تھی۔

”کل صبح صاف کر لوں گی۔ اس سے پہلے عباد کہہ جانے کے لیے کہے اس کا کمر اخالی کرنا ہو گا کب تک وہ امی کے کمرے میں رہے گا۔ میں خود یہ جگہ، یہ گھر چھوڑ دوں گی اور کتنا گروں گی..... بس! بس.....“

آخری بار..... عباد سے معافی مانگوں گی اپنا فرض پورا کروں گی اس کے بعد اس کے بعد۔“ دھیرے سے جزرہ کو ہینچ لیا۔ ”یہاں سے چلی جاؤں گی۔ پیارے گھر، کسی دارالعلوم میں یا کسی ہاسٹل میں۔ اس دنیا میں کم ہو جاؤں گی۔ ایک نئی دنیا بسالوں گی۔ جزرہ یاد آئے گا۔ دوسرے کے بچے کو ساتھ تو نہیں لے جاسکتی نا.....“ آنکھیں موندے جزرہ کے بالوں پر چہرہ رکھے وہ خود سے بوجھام تھی۔ اس کے چہرے پر حزن، درد ایک ساتھ جو نقص تھے۔ اس کا تن من درد کی پھوار اور رنج کی بارش سے

جزرہ کو لے کر کوئی بھی آسکتا تھا۔ اسے اپنا آپ سنبھالنا تھا۔ دھیرے سے اٹھی اپنی ہتھوں کو جمع کیا اور کمرے میں آ گئی۔ دوسرے لمبے وہ چونک گئی۔ کمرے کے وسط میں کر دھر سے گردن اٹھائے چہرے پر طنز یہ انداز اور ہونٹوں پر استہزاء یہی لیے رعنا بھابی کھڑی تھیں۔

”تمہارا شوہر آیا ہے۔ تم سے ملنے سالوں کا بن پاس کاٹ کر اور تم اس سے ملنے نہیں آئیں؟“ وہ ان کو دیکھتی رہی۔

”جس کی محبت اور عشق میں تم نے جل بن مچھلی کی طرح وقت گزارا۔“ اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

”جس کے بچے کو تم نے مامادی۔ ما..... ما.....“

وہ درمیان میں رک کر ہنسی اڑائی۔ ”ماما..... کہلایا اس کا باپ آیا ہے اور تم نے رخ روشن کا دیدار نہیں کرایا۔“

رعنا اس کی ہنسی اڑا رہی تھیں شایان کا سر جھک گیا۔

”میں اسے بچپن سے جانتی ہوں۔ ایسا ہی ہے وہ ہاتھ سے چیز گر جائے تو وہ نہیں اٹھاتا۔“ چہ جائیکہ نظر سے.....! وہ بے حس ہو گئی تھی۔ رعنا بھابی سچ کہہ رہی تھیں۔ ان کے اندازے درست تھے۔ اس کے پاس بولنے کو تھا ہی کیا۔ عرصہ ہوا بولنا بھول گئی تھی۔ جب سے اس نے پڑھا تھا اور سنا تھا ایک چپ سوکھ۔ مبرا انسان کے دلوں کو فتح کر لیتا ہے چپ اور خاموشی سے دلوں کو جیت لیا جاتا ہے۔ رعنا بھابی اس کا تماشا دیکھنے آئی تھیں اور دیکھ رہی تھیں۔ اس نے ردائل اخلاق کو چھوڑ دیا تھا مگر فضائل اخلاق نے بھی اس کی ”رذالت“ کو نہیں دھویا تھا۔ اس کا ماضی آج بھی زندہ تھا۔ اس کے سامنے رعنا بھابی کی صورت میں کھڑا تھا اور اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

”اب کیا کرو گی تم..... اب بھی تو تم جاؤ گی نا.....“

اس گھر سے۔ کیا تھا اگر..... اگر تم پہلے دفعہ ہی چلی جاتی تو..... تو میرے خواب تو پورے ہوتے، میں اپنی بہن کو اس گھر میں لے آتی۔“ وہ کھلے انداز میں اپنی نفرت کا اظہار کر رہی تھیں۔ اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ لفظ، آنسو، سسکیاں سب ختم ہو چکے تھے۔ وہ بولے

ماہنامہ پاکیزہ

ہم رہا تھا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ احساس قوی ہو رہا تھا۔ اب یہاں..... اس کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ زندگی کی بساط پر وہ دل کی بازی ہار چکی ہے اور اب اس کی زندگی کی شام ہے۔ نیچے لاؤنج میں ایک بار پھر شور کی آوازیں تھیں، قہقہے تھے۔ عباد کی آواز بلند تھی۔ جانے والا جو آ گیا تھا۔ اس کا پرتپاک استقبال تھا۔ ابو نے قہقہے تھے، امی..... وہ چوکی۔

حزہ اٹھ گیا تھا اس کے آگے کھلونے رکھ دیے امی نے کچھ نہیں کہا ہو گا اس کے متعلق مگر عباد جو فیصلہ کر لیتا ہے وہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔ اس نے کہا ہو گا مجھے زبردستی کے لیے مجبور نہ کریں ورنہ..... ورنہ میں واپس چلا جاؤں گا۔ مصلحت ہی سہی امی نے خاموشی اختیار کر لی ہوئی۔ امی اس سے بہت پیار کرتی ہیں مگر جیسا..... مگر سگی ماں تو نہیں تھیں۔ مگر بیٹا آ گیا تھا۔ اس کے بارے میں خاموش رہ کر اسے روکنا بھی تو تھا ماں تھیں کب سے اولاد کے لیے بے قرار..... دعا گو۔ ابو کے قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ حزہ منہ بسور نے لگا۔ اسے بھوک لگی تھی۔ بسکٹ نکال کر دھیرے دھیرے اسے کھلانے لگی۔ وہ تو یہاں عضو معطل ہے۔ اس کی کسی کو ضرورت ہی نہیں ہے تو وہ یہاں کیونکر قیام کر سکتی ہے۔

نیچے کھانا لگ رہا تھا۔ برتنوں کی آوازیں، پچھوں شور، گلاسوں کی کھٹکھٹاہٹ۔ نو کا گھٹنا بج گیا۔ نیکی جن پر خبریں شروع ہو گئیں۔

”آج میں نے عباد کی پسند کا کھانا پکایا ہے۔ عباد کچن میں نے بنائی ہے۔ کتنے عرصے بعد آج ڈائننگ ٹیبل کی رونق دوبالا ہوئی ہے۔ میرے بیٹے کی رونق سے ہے۔“ یہ امی کی آواز تھی۔ اسے بھوک تھی نہ پیاس، وہ کھل سے بھوکی تھی۔ کل حزہ کے بخار کی وجہ سے کھایا نہیں گیا تھا اور آج.....! بھوک پیاس، تو خوشی کے کھانے ہیں اور وہ تو زندہ رہنے کے لیے کھاتی تھی۔ بے سارا دن نہیں کھایا تھا تو طلب بھی نہیں تھی۔ گویا زندہ رہنے کی خواہش بھی ختم ہو گئی تھی اور..... اور، خواہش پر ڈیٹھ دیکھ کر بے پرواہی تھی۔ اسے بلایا بھی نہیں گیا تھا۔ ڈائننگ روم کا شور اب لاؤنج میں منتقل ہو گیا۔

”چاچو میرا گفٹ“

”یہ کافی تمہارے لیے عباد۔ یہ کم چینی والی جائے لیے بھی کافی ہے۔ راحہ بھابی کی کھکھلائی ہوئی آواز تھی۔ رعنا بھابی کے ذمہ فخر تھے۔ ہلکی ہلکی موسیقی اور باہمی گفتگو۔ حزہ کھینچے کھینچے پھر سو گیا تھا۔ دھیرے سے بستر پر لٹا کر اچھی طرح سے بستر ٹھیک کر دیا۔ حزہ ہو گیا تھا اس کی مصوم سی مصروفیات بھی ختم ہو گئی تھیں۔ گھنٹوں کے گرد بازو لپیٹ کر بیٹھ گئی۔ کرنے کے لیے تھا ہی کیا اور اب تو کچھ کرنا ہی نہیں۔ آس و امید بھی ختم۔

عباد آ گیا تھا۔ فیصلہ ہو گیا، خسارہ اس کے حصے میں آیا تھا۔ صبح آتی کوئی نہ کروں گی۔ میں آ رہی ہوں، آپ ٹھیک کہتی تھیں۔ زبردستی کے قیام سے دل آباد ہوتے ہیں نا گھر۔ فیصلہ ہو گیا۔“ گھنٹوں پر سر جھکا لیا۔ بے اطمینانی، بے سکونی تن من میں رقص کرنے لگی۔ جانے کتنا وقت گزر گیا سوچتے سوچتے یاد دہانی ٹکان نے نیند کی مدد ہوئی میں جھٹکا کر دیا تھا۔

جھٹکے سے آنکھ کھلی۔ سامنے حزہ سو رہا تھا اور گھڑی میں ایک بج رہا تھا گھر میں غیر معمولی سناٹا تھا۔ اک عجیب سا درد اور تکلیف اس کے وجود میں سرایت کرتے چلے گئے۔ گویا اس پر منوں بوجھ پڑ گیا ہو۔ دھیرے سے بہ مشکل اٹھی۔ اسے نیچے جانا تھا۔ حزہ کے فیڈر اور دودھ کے لیے پانی کے فلاسک کو پھر سے بھرنا تھا اور معمول کے کام نمٹانے تھے نیچے جا کر۔ لاؤنج کی ترتیب اور صفائی، کچن سینکنا تھا۔ یہ برسوں سے اس کی ذمہ داری تھی۔ کل وقتی ملازمہ چلی گئی تھی۔

”عباد!“ دھیرے سے دروازہ کھولتے کھولتے رک گئی۔ مڑ کر کمرے میں نگاہ کی وہ جانے کہاں سو یا ہو گا۔ کمرہ بھی تو خالی کرنا ہے سب چیزیں ابھی آ کر سینکڑی ہیں..... صبح، صبح..... خود سے سوچتی دھیرے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اپنی ٹوٹی ہمتوں کو جمع کرتی ریلنگ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ ہر سو ملگجھا سا اندھیرا تھا۔ سب سو، جا چکے تھے۔ بہ مشکل نیچے اتر رہی تھی

پکڑ کر اس پر گری گئی۔

اس کے اندر درد کے بھنور سے اٹھ رہے تھے۔ پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔ لمبے بھر کو طبیعت منجھلی۔ ساتھ ہی حمزہ کا خالی فیڈر اور چارہ کھا تھا۔ یہ چیزیں اسے اوپر لے کر جانی تھیں اور اس کی ہمت..... دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر فیڈر اٹھا لیا۔ حمزہ کا فیڈر..... دھیرے سے اسے چوم لیا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی بڑھ رہی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر فیڈر اٹھانے لگی اسے اپنا اندر بالکل خالی لگ رہا تھا..... جیسے رگیں کٹ رہی ہوں۔

اس کی ڈگر گاتی حالت، زرد رنگت، لاغر وجود کو عباد بس عالم تحیر سے دیکھے جا رہا تھا۔ امی نے فون پر بارہا کہا تھا۔ شایان وہ نہیں رہی بہت بدل گئی ہے اور وہ کتنا بدل گئی ہے وہ دیکھے جا رہا تھا۔ وہ تیزی، وہ طراری، وہ تنقنا، وہ بانگین، چہرے کا غرور شاید مستعار لیا ہوا تھا۔ اس کا اصل یہ تھا کیا..... پھر وہ سب کیونکر بدلی ایسا کیا ہوا تھا۔ یہ تو بھی مل کر پانی بھی نہیں پیتی تھی چہ جائیکہ لاؤنج سے بچن تک کی صفائی۔ وہ دم بخود سادیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

فیڈر بنا کر فیڈر کو دیکھا اور چوم لیا۔ درد اس کے وجود کی طنابوں کو ہلارہا تھا اور اسے برداشت کرنا تھا۔ کوئی خیال رکھنے والا ہمدرد مہربان یہاں کوئی نہیں تھا۔ اب تو آس کے جگنو بھی ختم ہو گئے تھے۔ دھیرے سے نیبل پر سر رکھا۔

”بس ایک بار عباد سے سوری کہہ کر اس کی زندگی سے نکل جاؤں گی۔ زبردستی مسلط نہیں ہوں گی عباد کو میری کی ضرورت ہی نہیں ہے برے لوگ..... سمجھی بھی اچھے نہیں ہو سکتے کیا.....؟“ وہ درد کی لہروں کو اپنے وجود سے گزرتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔ ایک دم یوں لگا جیسے اس کا ذہن سو جائے گا ہمیشہ کے لیے بمشکل دھیرے سے سرائٹھایا۔ آنکھیں جلنے لگیں۔ شاید وہ مر رہی ہے۔ اس کا وجود گویا کٹ رہا تھا اس زندگی سے اس کا واسطہ ختم ہو رہا ہے۔ بہ مشکل چیئر بیک سے ٹیک لگا کر خود کو سنبھالا۔

سہل سہل تھپتھپ کر ایک درد کی سی کیفیت ہمراہ تھی۔ لاؤنج کے صوفوں کے کٹھن، فلور کٹھن، اخبار، کاغذ سینے، چائے کے کپڑے میں رکھے۔ مونگ پھلی کے جھلکے سینے۔ لاؤنج کے شیشے کے دروازے کے پاس کھڑا کلمجے اندھیرے میں اندر دیکھتا عباد..... ساکت ہو گیا۔

لاؤنج کی ترتیب اور صفائی کر کے شایان کوڑا اور برتن لے کر بچن میں جا رہی تھی۔ اتر ا ہوا چہرہ، بکھرا ہوا منگیا سادہ وجود۔ سر کے گرد لپٹا دوپٹا، بچن میں جا کر اس نے فیڈر باندھنے کے لیے رکھا۔ فلاسک دھو کر گرم پانی سے بھرا۔ دودھ کے ڈبے سے دودھ نکال کر چار میں ڈالا۔ حمزہ کا کام پہلے کیا اور چیزیں ڈانٹنگ نیبل پر رکھیں۔ وہ کسی وقت بھی اٹھ سکتا تھا۔ گندے برتنوں کا ہجوم بے کراں دھلنے کا منتظر بین میں پڑا اسے آس و امید سے دیکھ رہا تھا۔ ڈانٹنگ نیبل صاف کر کے، برتن سمیٹ کر بچن میں لے آئی۔ اب لاؤنج اور ڈانٹنگ روم صاف تھا۔

عباد کی حیرت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ ایک پل کے لیے کام کرتے کرتے وہ لڑکھائی۔ وجود میں درد سا ہونے لگا۔ بے اختیار رسک تھا ملایا۔

”یہ کام تمہارا ہے تم ہی نے کرنا ہے کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔“ ایک بار رعنا بھابی نے اس کی ذمہ داری لگاتے ہوئے کہا تھا۔ اپنے حوصلے اور برداشت کو ہموار کر وہ دھیرے دھیرے برتن دھونے لگی۔ ہلکی سی بھوک کا احساس ہوا تو ایک گلاس پانی کا پی لیا۔ بھیجی گھر کے غیر معمولی سنانے میں مدھم سا احساس ہوا۔ بے اختیار بچن اور بچن کے دروازے تک آئی۔ شاید حمزہ رو رہا ہے۔ سننے کی کوشش کی مگر حمزہ نہیں تھا۔ پلٹ کر واپس ہوئی۔ درد کی لہر ساتھ ساتھ تھی۔ سارے برتن دھلے تو رات کے تین بج رہے تھے پھر بچن صاف کیا۔ ہر چیز قرینے سے رکھی۔ بوتلیں بھر کر فریج میں رکھیں۔ وہ کام کر رہی تھی۔ لائٹ آف کر کے بچن سے باہر آ گئی۔

ابھی اوپر جانے کے لیے لاؤنج سے ہو کر گزرتا تھا بیڑھیاں اور اس کا درد..... دھیرے سے سانس لینے رانسوں کو ہموار کرنے کے لیے ڈانٹنگ نیبل کی چیئر

ماہنامہ پاکیزہ

”اے اللہ..... اے اللہ..... بس..... تھوڑی سی مہلت۔ بس ذرا سی اتنی کہ میں یہ فیڈر حمزہ کو دے دوں۔ اسے بھوک لگے گی۔ وہ اٹھنے والا ہوگا۔“ اس کا بچہ غنودگی میں جانے لگا۔ فیڈر ہاتھ سے پھسلتا ہوا نکلنے لگا۔ بمشکل گرفت مضبوط کی۔ ”حمزہ روئے گا“ درد کا یہ شہادت سے لگا پھر ایک دم سے پل بھر میں سکون پیدا چلا گیا۔

”بس اللہ اتنی مہلت کہ میں عباد سے معافی مانگ لوں..... اگر اس سے معافی نہیں مانگی تو مجھ پر دوزخ بھی حرام ہوگی اور جنت.....“ اک حزن زدہ ہنسی نے یونٹوں کو چھوا۔ ”جنت تو نصیب والوں کو ملے گی میرا تو پورا ہر گناہ گار ہے۔“ درد کی رفتار تھوڑی ٹھہر ٹھہر کر اٹھ رہی تھی۔ فیڈر کو مضبوطی سے تھام کر بمشکل کھڑی ہوئی۔ انگوٹوں سے جان نکل رہی تھی۔

”بس اے اللہ..... یہ فیڈر..... میں حمزہ کے منہ سے لگا دوں۔ مجھے طاقت دے۔“ بند ہوتی آنکھوں کو کھول کر سامنے دیکھا۔ اسے چندہ سبز حیاں چڑھ کر رہا تھا۔ چندہ..... سبز حیاں جودن میں کتنی بار اترتی تھی دراب ایک قدم چڑھنا محال لگ رہا تھا۔ گھٹ کر قدم بڑھائے۔ اس کی ہمتیں زمیں بوس ہو رہی تھیں۔ ایک نئی جار..... لب بام سبز حیاں تھیں۔ اس کی سانس لینے کی اور..... درد کا شدید جھکا لگا۔ بے اختیار نیچے آتی چلی گئی۔ فیڈر پھسل کر دور چلا گیا تھا۔

”اے میرے اللہ..... بس.....“ نگاہ اٹھا کر دور سے فیڈر کو دیکھا۔ بمشکل دوزانو ہو کر ہاتھ بڑھا کر ہار کھینٹ لیا۔ اسے ٹانگوں سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔ ہار ٹھہر کر سنبھلی ”اے اللہ دو کام نہ سہی ایک ہو جائے فیڈر حمزہ..... کو دے دوں۔“ اپنی ہمت کو جمع کر کے لے گی۔ بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھول رہی تھی کرسی اسیار لے کر کھڑی ہوئی اور..... دوسرے لمحے..... اسے کمرے سے گھس کر کچھ کرا نکھیں کھلتی چلی گئیں۔

”با..... با.....“ ہونٹ خشک ہو گئے۔ ہاتھ میں پکڑا فیڈر نیپل پر رکھا اک ٹک..... ہنسی آنکھیں ساکت ہو رہی تھیں۔

اس کا وجود زلزلوں کی زد پر تھا۔ جھٹکے شدت سے اٹھ رہے تھے اور لمحہ لمحہ ان میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ان آنکھوں میں اپنائیت نہیں تھی محبت نہیں تھی خیال دھیان بھی نہیں تھا اور..... اور نہ پچھلی رفاقتوں کا کوئی عکس نہیں تھا۔ سنگ دلی سے ابھی ساکت آنکھیں۔ ساحر آنکھوں میں اس کا لرزنا ہوا عکس ابھار رہا تھا۔

”م..... مجھے..... عباد..... معاف کر دیں۔“ اس نے دونوں ہاتھوں کو جوڑ دیا۔ ”میری غلطیاں، میری کوتاہیاں۔ میر..... ے..... گناہ۔“ اس کی ہمت نے اس کے قدموں کو تھام رکھا تھا۔

”میں نے کوشش کی..... میں اچھی لڑکی ہوں..... م..... جگر..... شاید میں کبھی بھی اچھی نہ بن سکوں۔“ عباد ساکت نگاہوں سے اسے دیکھے جارہا تھا۔

”مجھے آپ کا انتظار تھا۔ بس معاف کر دیں۔ میں..... مجھے آپ کا انتظار تھا۔ بس معاف کر دیں۔ میں..... میں کل..... یہ گھر چھوڑ جاؤں گی۔“ اس کے وجود میں کرجیاں سی چھپنے لگیں۔

”مجھے معاف کر دیں..... گے..... نا.....؟“ اس کے وجود میں کرجیاں سی چھپنے لگیں۔

”مجھے معاف کر دیں..... گے..... نا.....؟“ پھر اگر کرسی کو تھاما۔ ہاتھ فیڈر سے ٹکرایا اور فیڈر اس کی پہنچ سے دور پھسل گیا۔

”تم..... ہا..... ری طبیعت..... خراب ہے۔“ عباد آگے بڑھا۔

”آ.....ں۔“ نیپل کو تھام کر فیڈر پکڑا۔

”حمزہ..... بھوکا..... ہو..... گا۔“ اس نے اٹھنا ہے.....

یہ فیڈر..... اسے۔“ دوسرے لمحے اس کا وجود بہکا۔ درد کا جھکا شدید تھا۔ اس کی ہمتیں، قوتیں، درد کے ساحل پر کھرتی چلی گئیں۔ گرتے گرتے اس کا سر نیپل سے، پھر چپڑ سے ٹکرایا اس کا وجود نیچے گرتے ہوئے سر عباد کے پیروں کے پاس ٹھہر گیا۔ سر سے خون کا فوارہ سا پھوٹ پڑا۔

”یہ فیڈر.....!“ اس کے لب بے..... بمشکل آنکھیں کھول کر دیکھا..... عباد کے پیر..... اس کا رکتا

ہوا۔ دل۔ زور سے دھڑکا۔ دھیرے سے ان پیروں کو
تھام کر سر رکھ دیا۔

”م..... مجھے..... معاف.....“

”شایان..... شایان.....“ اس کا گرتا وجود.....
اسے حواس میں لے آیا۔ ”شایان..... شہنی.....“ وہ
بھٹکتا چلا گیا۔ سرخ گاڑھا، گرم خون اس کے پیروں کو
بھگور رہا تھا۔ اور اس کی تیز آواز..... بلکہ چیخ نے تمام
کمرؤں کے بند دروازے کھول دیئے۔

”کیا ہوا.....؟ کیا ہوا؟“ اسی پل حمزہ زور سے
چیخ مار کر اٹھا اور رونے لگا۔

”کیا ہوا.....؟“

”ہائے!“ زبیدہ رحمٰن تو وہ دیکھ کر ہی ساکت
ہو گئیں۔ عباد شایان کو ہاتھوں میں اٹھا کر باہر بھاگ رہا
تھا۔ اس کی دانت لی شرٹ سرخ ہو رہی تھی۔

”بھابی.....“ آئیں جلدی سے..... عباد بھی حواس
کھو رہا تھا۔ حمزہ کے رونے کی آواز پھیلتی جا رہی تھی
بھوک کے احساس سے رو رہا تھا یا اس دکھ کو محسوس کر رہا
تھا جو اس کی ماں جیسی ماں سہہ رہی تھی۔

☆☆☆

”ان کو دل کا شدید ایک ہوا ہے۔ اس سے پہلے
شاید انہیں زور سے بریک ڈاؤن کا ایک ہوا ہے ہلکا سا۔
ان کے اندر قوت مدافعت ختم ہو گئی ہے۔ انہیں یا تو ان
کی زندگی بچالے گی۔ یا کوئی مجرہ..... مصنوعی تنفس کب
تک زندگی دے سکتا ہے۔ آکسیجن پر انسان کب تک رہ
سکتا۔ آکسیجن بھی بمشکل لے رہی ہیں۔“ ڈاکٹر مرتضیٰ
پارٹ سرجن خصوصی فون پر بلوائے گئے تھے پچھلے دس
دنوں سے وہ آئی سی یو میں تھی۔

ڈاکٹر زور کوئی سلی بخش جواب نہیں دے رہے تھے
اور اس کی زندگی سب کو تنگی عزیٰ تھی۔ وہ دیکھ لیتی تو خوش
سہ جاتی۔ ہر آنکھ اس کے لئے اشکبار تھی۔ حمزہ زور
کر بیمار ہو گیا تھا کچھ نہیں کھا رہا تھا۔ زبیدہ خاتون مصلے
سے نہیں اٹھ رہی تھیں۔ اور وہ جو ہمیشہ ان کی قربت اور
محبت کو ترستی رہی جو دیکھ لیتی کہ کیسے اسے شیشے کے پار
سے ترقم، محبت، چاہت سے دیکھ رہے تھے تو شاید کبھی

ماہنامہ پاکیزہ

ہوش میں نہ آتی..... جن آنکھوں کی غیرت، اجنبیت،
گریز، خالی پن اور محبت کی عدم موجودگی دیکھ کر اس کی
طبیعت مزید خراب ہو گئی تھی..... جو دیکھ لیتی، کیسے ان
آنکھوں میں اس کے کھوجانے کا ڈر..... کچھ ہونے کا ڈر،
خوف اور کچھ دہشت آن بسی تھی تو ایک دم سے اپنے
وجود سے نکلنے کے بادل کو اڑا دیتی۔ مگر دکھوں کے
بوجھ سے اس کا وجود بو جھل تھا۔ سہارے دور..... امید
اور آس کے جگنوڑ گئے تھے۔ اور مایوسی تو انسان کو بہت
دور لے جاتی ہے زندگی سے۔

☆☆☆

”عباد، عباد کیا کہا تھا تم نے اس سے۔ میں نے
کہا تھا نا وہ بہت بدل گئی ہے۔ اسے کچھ ہو گیا تو میں۔
میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔ کبھی بات نہیں کروں
گی۔“ زار زار روتے ہوئے زبیدہ رحمٰن نے کہا۔ عباد
نے بے اختیار انہیں اپنے ساتھ لگالیا۔

”خدا کی قسم میں نے اسے کچھ نہیں کہا میں تو اس
سے ملنے کے لئے نکلا تھا۔ کمرے سے باہر لان میں ٹہل
کر اندر آیا۔ وہ کچن میں مصروف تھی۔ میں تو بس اسے
دیکھتا رہا.....“ ماں کے گرد بازو پھیلا کر انہیں اپنے
ساتھ لگائے وہ بھگی آنکھوں سے بتا رہا تھا صفائی دے
رہا تھا۔ آنسو گر رہے تھے۔

”کام کرتے، فیڈر بناتے، بوتلیں بھر کر فریج میں
رکھتے وہ بہت ذتے دار اور سو پر لگ رہی تھی اور میں
آپ کی باتوں پر یقین و ایمان لا رہا تھا۔ واقعی وہ بدل
گئی تھی میرے لئے..... میری خاطر میری محبت میں.....
میں حیران بھی تھا۔“ پھیلی کی پشت سے آنکھیں صاف
کیں۔

”میری عدم موجودگی میں کیا..... میری محبت اتنی
شدید تھی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا میں اندر سے خوش تھا
ساری خفکیاں جھٹک کر میں اس کی جانب بڑھا تھا اسے
حیران کرنے کے لئے اسے..... اسے..... یہ خوشخبری
دینے کے تم جیت گئی ہو۔ م..... مگر..... امی..... اس کی
طبیعت خراب تھی۔ اس کے قدم لوکڑا رہے تھے۔ وہ
فیڈر حمزہ کو دینا چاہتی تھی۔ میں بے ساختہ آگے بڑھا تھا

سنبال لوں۔ اسے جانے کیا ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر
بران ہوئی اس نے یکدم ہی اپنے ہاتھوں کو جوڑ کر
مافی ماگی اس کی زرد رنگت بے جان آنکھیں.....
تک ہونٹ۔ میں ساکت تھا اور وہ میری خاموشی کو
جانے کیا سمجھی۔ وہ گری۔ اس کے سر سے خون پھوٹ
پڑا۔ امی..... وہ یکدم ہی پھوٹ پھوٹ کر رو..... دیا۔
”میں نے اسے معاف کر دیا تھا۔ سبھی تو اس کی
جانب بڑھ رہا تھا۔ میں اسے سہارا دینا چاہتا تھا..... مگر
اس نے گرتے ہوئے میرے پیروں پر سر رکھا۔ اپنے
گرم ہاتھوں سے میرے پیروں پر لپکتے تھے۔ اس کے گرم
خون کی حدت نے مجھے لرزادیا۔ امی..... میرا یقین
کریں میں نے اسے اک لفظ نہیں کہا۔“ زبیدہ رحمٰن نے
اپنے آنچل سے اس کا چہرہ صاف کیا۔ جانے کہاں سے
اس کے لیے محبت اٹھ کر آ گئی تھی۔ دھیرے سے اس کے
بالوں کو سمیٹا۔

”تیری محبت نے اسے بدل دیا ہے عباد۔ وہ.....
وہ تو نہیں رہی تھی۔ ادب، تمیز، تہذیب جانے کہاں سے
اس میں سما گئے۔ وہ سب آزادی اور ماضی تہذیب
جانے کہاں روپوش ہو گئی۔“ دھیرے سے عباد کا سر گود
میں رکھ لیا۔

”نماز..... روزہ..... عبادت بس یہی کام رہ گئے
تھے۔ پھر اس نے مجھ سے کام سیکھا، کھانا پکایا.....
تمہاری پسند کے کھانے۔ پکائے۔ وہ بہت اچھی تھی ہم
لوگ جلد باز تھے۔ جب بچے کو سمجھانے، سکھانے والا
کوئی نہ ہو تو وہ جدھر منہ اٹھائے چل پڑتا ہے اب وقت
اور زمانہ اسے جو بھی سکھائے اڑتے پتے کو جہاں لے
جائے۔ قسمت سے اسے دوست اچھے ملے نہ استاد.....
وہ بگڑتی چلی گئی۔“ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے
وہ دھیرے دھیرے عباد کو بتا رہی تھیں۔

”اس کی زندگی میں سنوارنے والے ہاتھ تھے نہ
دھاتیں..... اس کا تو قصور ہی نہیں تھا۔ برائی میں کشش
ہوتی ہے۔ اس نے بری عادتوں کو اپنالیا۔ مگر برائی.....
زیادہ عرصے تک پنپ نہیں سکتی اگر انسان کا خمیر نیک
ہو۔ جب اس گھر میں دوبارہ آئی تو وہ ایک نئی لڑکی کا جنم

لے کر آئی اس کی تربیت میں نے کی۔ وہ بہت خوش
تھی۔ مجھ سے باتیں کرتی، روتی ہنستی، میری سبیلی بن
گئی۔ رحمان، راحمہ اور ندا نے شاید اسے معاف نہیں کیا
حالانکہ اس نے ایک ایک فرد سے معافی مانگی۔ وہ
سر جھکائے عاجزی اور انکساری سے روتی تھی۔ آہستہ
آہستہ اس نے گھرداری کے بہت سے کام اپنے ذمے
لیے تو بہوؤں نے بہت سے کاموں کا ذمے دار بنادیا۔
وہ سب کے کام کئے جاتی اور ایک حرف نہ کہتی، لگی رہتی
تھی۔ شادی کی خبر نے اسے توڑ دیا تھا۔ عباد تم نے
شادی کیوں کی؟“ عباد دھیرے سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔
گہرا سانس لے کر سر جھکایا۔

”تم اسے ہی دوبارہ اپنا لیتے۔ جانتے ہو تمہاری
شادی کا مجھے کتنا دکھ تھا کہ ہمارے خاندان میں کبھی.....“
”امی!“ دھیرے سے ان کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

”میں نے دوسری شادی نہیں کی۔ وہ میرے دوست
عادل مراد کا بیٹا ہے جس نے وہاں شادی کی تھی بد قسمتی
سے روڈ ایکسیڈنٹ میں اس کا انتقال ہو گیا اس کے ماں
باپ تو تھے نہیں اس لیے میں نے دوستی نبھائی اور بچے کو
اپنے پاس رکھ لیا۔ میں کیسے وہاں بچے کو رکھتا اس لیے اپنا
بیٹا کہہ کر یہاں بھجوا دیا۔ ان دنوں کچھ شایان کی وجہ سے
دامن بھی خراب رہتا تھا۔ اس لیے میں نے مشہور کر دیا
کہ میں نے دوسری شادی کر لی ہے اور حمزہ میرا بیٹا
ہے.....“ زبیدہ رحمٰن اسے دیکھتی رہ گئیں۔ ”اس جھوٹ
پر میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔“

”اور اس جھوٹ کو تیری محبت میں کس دل سے
نبھایا شایان نے یہ اس کا دل جانتا ہے آفرین ہے اس
پر۔ تمہاری شادی کی خبر نے اسے بالکل چپ کر دیا۔ میرا
دل چاہتا کہ وہ تمہاری باتیں کرے مگر جانے کیا چیز ایسی
تھی جو اس کی آنکھوں میں ٹھہر گئی تھی۔ میرا دل چاہتا وہ
روئے وہ یہاں سے چلی جائے مگر اک گہری چپ تھی جو
اس کے گرد حصار باندھے کھڑی تھی۔ میکے میں تھا کون
جو وہاں جاتی۔ جانے کس چیز نے اسے بدل کر رکھ دیا
تھا۔“ عباد انہیں دیکھتا دم بخود ہو رہا تھا۔

”تم نے اسے کچھ نہیں کہا اس کی حالت اتنی

خراب کیسے ہوئی؟“ تذبذب سے اسے دیکھا۔
”میں نے واقعی اسے کچھ نہیں کہا ای.....“ انہیں

یقین دلانا وہ خود بے بس ہو رہا تھا۔

”میں عمر کی نماز پڑھ لوں پھر مجھے بھی اسپتال لے کر جانا۔“ دھیرے سے وہ اس کے پاس سے اٹھیں۔ اس نے دیں کشن منہ پر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ آنکھوں میں شدید جلن کا احساس ہونے لگا۔

☆☆☆

آئی سی یوروم کے ششے کی دیوار سے پیشانی ٹکا کر اندر دیکھا۔ آج بھی اس کا وجود بے حس و حرکت تھا۔ آکسیجن ماسک اسے دھیرے دھیرے آکسیجن دے رہے تھے۔ مصنوعی تنفس۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے انہیں کوئی شدید شاک لگا ہے ان کے اندر قوتِ مدافعت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ قطرہ قطرہ ڈرپس اس کے اندر توانائی پھینک رہی تھی مگر کوئی کوشش باور نہیں ہو رہی تھی۔

”اٹھو دیکھو میں آیا ہوں عباد۔ تمہارا عباد.....“

تمہاری جانب لوٹ آیا ہوں۔ تم جیت گئی ہو۔ تم کہتی تھیں تم جہاں کہیں سے مجھے دیکھتے ہو مجھے محسوس ہو جاتا ہے اب میں تمہیں کتنے گھنٹوں سے دیکھ رہا ہوں تمہیں کچھ نہیں ہو رہا۔ تمہاری محبت میرے وجود میں پھر سے شب خون مارنے لگی ہے۔ میں..... میں پھر سے ”تم“ ہو گیا ہوں۔ اٹھو..... اٹھو یار..... اب..... جاگ جاؤ نا۔“ بے بسی سے مکا دھیرے دھیرے ششے کی دیوار پر مارنے لگا۔

”میں تو اس دن تمہاری جانب حیرانی اور محبت سے بڑھا تھا کہ ایک دم سے تمہیں اپنے حصار میں لے کر حیران کر دوں گا..... مگر..... مگر تم نے تو مجھے حیران کر دیا۔ مجھے..... مجھے کیا معلوم تھا کہ تم اتنی دلبرداشتہ ہو چکی ہو۔ جب میں نے تمہارا یہ روپ دیکھا تھا۔ میں..... میں تو تمہیں پہلے والی شایان ہی سمجھتا رہا۔ کب کسی کی عادت بدلتی ہے مگر..... مگر..... تم نے عادات ہی نہیں اعتبارِ محبت بھی بدل دیا۔“ شدتِ ضبط سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ بے حس و حرکت وجود ابھی بھی ساکت و جامد تھا۔ قطرہ قطرہ اترتا ڈرپ کا پانی

ماہنامہ پاکیزہ

اسے جانے کون سی نوید دے رہا تھا۔ شانے پر دباؤ پر بے اختیار پلٹا۔ ڈاکٹر قاسم کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ ”میرے دوست لگتا ہے تمہیں اپنی جگہ سے بہت انیت ہے؟“ پُر وقار لہجے میں کہتے اس کے شانے پر اپنا بازو دراز کرتے آگے بڑھے۔ اک حزن سا اس کے چہرے پر پھیل گیا۔

”میں کانی دیر سے تمہیں اپنے روم سے دیکھ رہا ہوں مگر تمہیں تو گویا اپنے ارد گرد کی ہی خبر نہیں۔“ اسے لے کر اپنے روم میں داخل ہوئے اور اسے بیٹھنے کی آفر کی۔

”آج ایک مسٹری تو حل کر دو۔“ مبہم سے انداز میں مسکرائے۔ اس کے سامنے بیٹھ کر دونوں بازو شیل پر رکھ کر اسے دیکھا۔

”ایسا کون سا صدمہ کون سا دکھ تمہاری بیگم کو ملا ہے کہ اس کے اثرات زائل ہی نہیں ہو رہے۔ اتنی کم عمر معصوم سی ہے اور زندگی کی طرف واپس ہی نہیں آ رہی۔“ ڈاکٹر قاسم باہمی مشاورت سے اس مسئلے کو حل کرنا چاہ رہے تھے۔ عباد چند لمحے تک انہیں دیکھتا رہا پھر سر جھکا لیا۔

”محبت تو اس کے دل میں سلامت تھی مگر اس کے دل سے محبت کا یقین اور اعتبار ختم ہو گیا تھا اور زندگی سے یقین و اعتبار ختم ہو جائے تو کیا رہ جاتا ہے پیچھے.....“ اس کی آنکھیں دھواں دھواں ہونے لگیں۔ ڈاکٹر قاسم اس کی تمام کیفیات نوٹ کر رہے تھے۔

”بتانا نہیں چاہتے یا.....“

”محبت.....! اس کا دکھ محبت ہے وہ مایوسی محبت کا شکار ہو گئی ہے۔“

”اوہ!“ اک دم سے انہیں دکھ ہوا۔ ”کسی بھی چیز کی مایوسی انسان کو مار ڈالتی ہے بر خوردار..... ایسی نوبت کیوں آئی؟“

”اس کے لیے مجھے بہت دور جانا پڑے گا اور فی الحال مجھے صرف اس کی فکر ہے۔ کوئی سبیل کوئی دوا.....!“ تفکر آمیز انداز میں کہا۔

”دعا! صرف دعا اسے بچا سکتی ہے دعا کے

بد۔ اس کا سر جھک گیا۔

”دعا..... کتنے دنوں سے دعا ہی تو مانگ رہے

تھے ای! ابو..... وہ خود اس کے لیے جذب دل سے دعا مانگنے کی ضرورت ہے۔“ اسے اپنے دل میں ہلکا ہلکا درد سے محسوس ہونے لگا۔ نہیں اسے اس یقین کی ضرورت ہے جو اس کے دل میں تھا اور ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا۔

”عباد! اس کے کمرے میں جاؤ۔ اسے پکارو..... اپنے ہونے کا یقین دلاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ زندگی کی طرف لوٹ آئے۔“ ڈاکٹر قاسم غلوں دل سے مشورہ دے رہے تھے۔

”ہاں..... شاید..... اسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔“

دھیرے سے سر ہلایا اور جب بہت دیر بعد وہاں سے اٹھا تو خاصا ہلکا ہو رہا تھا۔ اس کے اندر اک سکون سا پھیل رہا تھا۔ اضطراب کا اثر زائل ہو رہا تھا۔

☆☆☆

نرس اس کے ارد گرد موجود اس کا کمرہ صاف کر رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ ایسے ہی اس کے پاس کھڑی دیکھتی رہتی تھی۔ کتنی کم عمر اور معصوم سی لڑکی اور دل کی مریض..... آج اسے کافی دن ہو گئے تھے۔ یہاں ایڈمٹ ہوئے۔ کتنی لگی ہے یہ ہر وقت اس کی محبت میں جتا لوگوں کا ہجوم اس کے ارد گرد رہتا ہے اور اس کا شوہر اسے کیسے دیکھتا ہے آف! اسے جھرجھری آگئی۔ فائل ٹھیک کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ دوسرے لمحے چونک گئی۔ اس کے وجود میں جنبش ہوئی تھی۔ اس کا سر ہلاتھا۔ بے اختیار اس کی جانب بڑھی۔ بند آنکھوں پر اضطرابی کیفیت تھی۔ اس کے ہاتھ نے حرکت کی۔ دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اسے ہوش آ رہا تھا اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ اس وقت دروازہ کھول کر ڈاکٹر قاسم اور ڈاکٹر رباب کے ساتھ عباد اندر داخل ہوا۔

”ڈاکٹر..... دیکھیں انہیں ہوش آ رہا ہے۔“ اس نے ایک دم سے آنکھیں کھول دیں۔ چہرہ ماسک سے ڈھکا ہوا تھا۔ ڈاکٹر قاسم نے کھائی تھام لی۔ ڈاکٹر رباب چیک اپ کرنے لگیں اور..... عباد اس کے پیروں کے قریب کھڑا شدید مضطرب سا اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیسی ہو؟“ ڈاکٹر رباب نے پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

”ہیلو گرل!“ ڈاکٹر قاسم کا لہجہ خوشگوار تھا۔ اس کی آنکھوں میں یاسیت اور محکم کے رنگ نمایاں تھے۔ دھیرے سے آنکھیں بند کر لیں۔

”تم ٹھیک ہو بیٹا خود کو سنبھالو دیکھو یہ سب تمہارے اپنے پاس ہیں تمہارے لیے دعا کر رہے ہیں۔ تمہارے ٹھیک ہونے کی۔“ اس کی چمکیں دھیرے دھیرے لرز رہی تھیں۔

”اب تم کیسا محسوس کر رہی ہو بیٹا؟“ ڈاکٹر رباب نے زخم آمیز لہجے سے اسے دیکھا۔

”آنکھیں کھولو بیٹا!“ مگر ایک بار پھر اس کا دھیان تاریکیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر قاسم نے گہرا سانس لے کر عباد کو دیکھا پھر اس کی فائل اٹھا کر دیکھنے لگے۔ کچھ دوائیوں میں رد و بدل کیا۔ نرس کو ڈرپس میں انجکشن ڈالنے کی ہدایت کی عباد دکھ سے اسے دیکھتا ان کے ساتھ باہر آ گیا۔

☆☆☆

اگلی بار اسے ہوش آیا تو اس کے روم میں کوئی نہیں تھا۔ اس کی تمام حیات الٹ ہو کر جاگ گئیں۔

”وہ زندہ ہے..... کیوں زندہ ہے۔ اس زندگی میں اے اللہ کیا رکھا ہے اب.....“ اس نے چھت کی جانب دیکھا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی وہ مر گئی ہے۔ دنیاوی جھنجھٹ سے نجات پا گئی ہے مگر..... مگر..... یکدم بازو کھینچا اور بازو میں لگی ڈرپس کی سوئی کھال چیرتی ہوئی نکل گئی۔ تکلیف کی شدت سے یکدم آنکھیں بھٹکیں۔

دوسرے لمحے سارے منظر یاد آ گئے ”حزہ.....

حزہ کہاں! کیا ہو گا؟ اسے بھوک لگی تھی اور عباد! عباد! دوسرے لمحے دکھ سے آنکھیں اک جگہ رک سی گئیں۔

سارا منظر سامنے تھا۔ خالی نظروں سے دیکھتا عباد۔ کسی بھی جذبے کا کوئی رنگ نہیں تھا۔ ”تو..... تو پھر میں کیوں زندہ ہوں۔ اے اللہ میں بری لڑکی ہوں اور برے لوگوں کو

زندہ رہنے کا حق ہی نہیں۔ بس اب مجھے..... مجھ میں اور سکت نہیں۔“ اس کے آنسو آنکھوں سے نکل کر چہرے میں

جذب ہو رہے تھے اسے یاد تھا اس نے عباد سے معافی مانگی تھی۔ عباد نے اسے معاف نہیں کیا تھا بلکہ تمام تر اجنبیت سے اسے دیکھتا رہا تھا اور اس دکھ نے ہی اس کے وجود کی تکلیف کو بڑھایا تھا۔ وہ گری تھی پھر پھر..... عباد نے اس کے گرتے وجود کو تھا نہیں تھا۔ چوٹ کے احساس نے جسم و جاں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ بیرون پر سر رکھا تھا تب بھی نہیں۔

”تو..... تو پھر میں کیوں زندہ ہوں۔ کس کے لیے زندہ ہوں۔ کیا ہے میرے پاس.....“ آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کی محنت میں اضافہ ہو رہا تھا وہ جیٹیں مار مار کر رو رہی تھی۔ آکسیجن ماسک کو کھینچتا چاہا مگر وہ منہ سے نہیں ہٹا۔ بے بسی سے ہاتھ گر گئے۔ آنسوؤں نے رستہ دکھایا تھا۔ اپنی بے بسی اپنے دکھ اپنی تکلیف اور اپنے اکیلے پن پر وہ خود ہی ماتم کناں تھی۔ اسے مکمل ہوش آ گیا تھا۔ روتے روتے اس کا وجود نہ حال ہو گیا۔ ایک بار پھر اس کا ذہن خود دگی میں اتر رہا تھا۔ بھی دروازہ کھول کر نرس اندر داخل ہوئی پھر اس نے ایک چیخ مانی..... اب نرس مسیحا کی کر رہی تھی۔

”ڈاکٹر دیکھیں ان کا چہرہ بیگناہ ہے ایسا لگتا ہے انہیں ہوش آ گیا ہے اور یہ یوں ہیں۔“
”لگتا ہے ہماری آرزو تھی۔ ان کے اندر کی محنت کم ہوگی۔ یہ انتہا سے دو.....“ وہ سب آوازیں سن رہی تھی مگر آسمانیں کھولنے کی سکت نہیں تھی۔ بے پناہ تھکاوٹ نے اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کے ہوش میں آنے کی خبر نے زبیدہ خاتون کو نہال کر دیا۔ بے اختیار انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ صدقے کے لیے کبرا منگوا لیا۔

”میری بچی نے بہت دکھ سہا ہے۔“ ان کے لہجے میں محبت تھی۔

انکی بار چب اس کی آنکھ کھلی تو سارے چہروں کو اپنے ارد گرد دیکھتی رہ گئی۔ اتنی اہمیت..... کیا وہ اس قابل تھی۔ امی! بوڑھا بھائی! ادیس بھائی! عباد اور راحمہ بھابی کی گود میں حمزہ..... اس کے چہرے پر آکسیجن ماسک نہیں تھا۔ وہ اک تک انہیں دیکھ رہی تھی۔ امی نے

بے اختیار اسے پیار کیا۔

”کسی ہو بیٹا.....؟“ محبت آج بھی سلامت تھی۔

”شایان کیسی ہو؟“ سب پوچھ رہے تھے۔ عباد یکدم سے باہر نکل گیا۔ شایان کی آنکھوں کے کرب یا سیت اور گہرے اضطراب نے اس کی آنکھوں کو بھگو دیا تھا سحر آنکھوں کی اجنبیت نے اسے گہری کھائی میں گرا دیا۔ اب اسے خود کو سنبھالنا تھا۔ تنہا جیتا تھا بلکہ خالی کرانی تھی۔ عباد اس کا نہیں رہا تھا۔ اسے بھی معاف نہیں کرے گا۔ اتنا ہی ضدی تھا۔

”حمزہ کو دیکھا کیسے تمہارے پاس آنا چاہ رہا ہے۔“ راحمہ بھابی نے حمزہ کو اس کے پاس بٹھایا۔ لپک کر وہ اس کے اوپر چڑھنے لگا۔ اس کا چہرہ چھوٹنے لگا۔ اس کے بازوؤں میں جان نہیں تھی کہ حمزہ کو اٹھا سکتی یا چھو سکتی تاہم اس کا روم روہم پکار رہا تھا۔

”اسے لے جاؤ بیٹا! اس کو صبر آ گیا ہے میرے بغیر جی لے گا میں نے ساری عمر اس کے ساتھ نہیں رہنا۔“ حمزہ اس کے چہرے کو چھو رہا تھا۔ پیار کر رہا تھا۔ اس کے کرب..... دکھ کو بڑھا رہا تھا۔ آنسوؤں نے ایک بار پھر راستہ دکھ لیا۔ وہ بے آواز زوری تھی۔

زبیدہ خاتون نے اسے اپنے سینے سے لگ لیا۔ اور ایک بچے کی طرح ان کے سائے میں سمٹ گئی۔ اس وقت آنٹی سارا یاد آئیں۔ وہ جانے کہاں تھیں۔ انہیں خبر تھی یا نہیں۔ پپا..... باب اس کے وجود سے غافل۔ ابونے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ادیس بھابی نے قسلی دی۔ راحمہ بھابی نے الگ کر کے اسے پانی پلایا پھر اپنے ساتھ لگ لیا۔

”مجھے معاف کر دینا شایان۔“ بہت زیادتیاں ہوئیں ہم سے۔ زبیدہ خاتون بار بار پیار کر رہی تھیں۔ اس کا دل پھر بھر آ رہا تھا۔

”ارے بیباں یہ کیا ہو رہا ہے یہ مر لیٹہ ہیں اور ان کے گرد اتنا جھوم.....“ ڈاکٹر قائم اندر آ گئے۔
”ایک ایک کر کے بھائی..... بہت سیریس معاملہ ہے بھی۔“

”ڈاکٹر صاحب اس کے ہوش میں آنے کی خوشی
راتی تھی کہ بس.....“

”چلیں سب باہر انہیں سکون اور اطمینان کی
مروت ہے۔ آرام چاہیے اور ایک ایک کر کے ملیں۔“
ڈاکٹر قاسم نے خوشگوار بیت سے کہا۔ سسٹر شایان کو سہارا
کرتا لگی۔ محبت اور پیار سے دیکھتے ہوئے سب
رے سے باہر نکل گئے۔ زبیدہ خاتون اس کا ہاتھ
سے پٹھی رہیں۔

”لگتا ہے بہو سے بہت محبت ہے۔“ فائل رکھ کر
سے دیکھا۔

”یہ میری بہو نہیں بیٹی ہے میں نے اسے کبھی بہو
سے سمجھا۔“ دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما (اس میں کیا
تھا۔ امی کا ساتھ نہ ہوتا تو آج وہ کسی ہاسٹل میں رہ
ی ہوتی۔ میکے میں تھا ہی کون) ان کا ہاتھ مضبوطی سے
م لیا۔

”بہت لگی ہو تم بیٹا تمہاری ساس تمہیں بیٹی کہہ رہی
ہے۔“ ڈاکٹر قاسم نے مزاحیہ انداز..... وہ ہنس بھی نہ
سکا۔ اس کا ہاتھ زبیدہ خاتون کے ہاتھ میں لرز کر رہ
ا۔

”برخوردار کہاں ہیں آپ کے؟“ جاتے جاتے

پہلایا۔
”گھر گیا ہے شاید۔“ چنچ کر نے کچھ آرام کر لے
کتے دنوں سے اس کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔“

شایان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کے پاس.....
سٹ گئی..... تو..... تو..... خوش گمانی کے بادل اس
پے کر دسٹنے لگے۔

☆☆☆

آج کتنے دن بعد وہ نہا کر فریش ہوا تھا۔ سو کر نیند
کی تھی روح کے لیے یہ اطمینان کافی تھا کہ اسے
س لایا گیا تھا۔ وہ زندہ تھی اور اب اسے اپنی تمام تر
تاریکیوں اور زیادتیوں کی معافی ملنا تھی۔ وہ اتنی بری
تھی جتنا اس نے سمجھ لیا تھا۔ غلطیاں کس سے نہیں
ہیں۔ بات اصلاح کی ہوئی ہے کون کتنا درست راستہ
تیار کرتا ہے امی ٹھیک کہتی تھیں۔ شخصیت کو تربیت کا پانی

سکھ کی بارش
اب کے سادہ کیمار با
دل دریا اور آنکھ سمندر
ہونٹ لرزاتے سوکھے پتے
آنکھ کے جگنو بے رونق سے
بو جھل بے کل شکت چہرے
کیسے بے دم روکے لہجے
میرے مولا!

سکھ کی بارش اب برسا دے
خوشیوں کی نئی جوت چکا دے

شاعرہ: علی شاہین رحیم یار خان

مورنی

بارش نے

جب سے مجھ کو پازیب پہنائی ہے
میں رقص میں ہوں
اور اتنی خوش ہوں
اپنے پاؤں کی بدرنگی کو
دیکھ دیکھ کے بھول رہی ہوں

پر پھیلائے

بھیکے ہوئے جنگل میں
مسلسل ناچ رہی ہوں

شاعرہ: پروین شاکر

مرسلہ: فصیحہ آصف خان ملتان

”جی.....!“ بے اختیار مسکرا کر اپنا ہاتھ بڑھایا۔
 ”السلام علیکم“
 ”وعلیکم السلام.....“ کہاں جا رہے ہو؟“ اس نے
 سر جھکا لیا۔“

”ویلڈن“ بہت اچھے۔ صبح سے میں تمہارا منتظر
 تھا۔ یہ بتانے کے لیے اسے بے شک ہوش آ گیا ہے مگر
 اس کی اندرونی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ اس پر اگر ایک
 بار پھر مایوسی کا دورہ پڑ گیا تو اسے ہم بچا نہیں سکتے۔
 آکسیجن کا ماسک بھی نہیں۔ اسے محبت کی آکسیجن کی
 ضرورت ہے۔ اسے تردد تازہ چاہت کی ہوا چاہیے۔“
 اس کے شانے پر بازو دراز کیے دھیرے دھیرے روم
 نمبرالیون کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ”اس کے مرجھائے
 ہوئے وجود کو یقین کی کھاد اور اعتبار کا پانی دو۔“ وہ سب
 دیکھ رہی ہے مگر بولتی نہیں ہے۔ ”دھیرے سے اس کے
 روم کے آگے رک گئے۔

”مجھے یقین ہے جب محبت کرنے والے مرد کے
 شانے پر بیوی کے آنسو جذب ہوتے ہیں تو۔“ انہوں
 نے گہرا آنسو رکن سانس لیا۔ ”تو..... سب کچھ ٹھیک ہو جاتا
 ہے۔“ اس کے شانوں پر محبت سے ہاتھ رکھے۔ وہ ہنس
 دیئے۔ ”مجھے یقین ہے کہ تم یہ بازی جیت لو گے۔“
 ”بے شک.....“ مسکرا کر انہیں دیکھا۔ ڈاکٹر
 قاسم نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔

”جائیے۔“ وہ جھل ہو گیا۔ ”مجھے تم سے خصوصی
 انیٹ ہے۔“ محبت سے اس کا بازو تھاما۔ عباد نے چمکتی
 آنکھوں سے انہیں دیکھا اور چاہتوں کے پھول لیے
 روم میں داخل ہو گیا۔ ڈاکٹر قاسم نے مسکراتے ہوئے
 اپنے روم کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

☆☆☆

شایان بظاہر آنکھیں موندے لیٹی تھی مگر اس کا
 ذہن اس کا دل اس کی روح جاگ رہی تھی۔ عباد کے
 لیے اس نے کیا نہیں کیا تھا جانے کیسی محبت تھی جس نے
 اپنے بچے اس کے وجود میں اندر تک گاڑ دیے تھے۔ اس
 کا ناروا سلوک کج ادائی، گریز کسی نے بھی تو اسے باطل
 نہیں کیا۔

نہ ملے تو اس کی تعمیر نو کیسے ممکن ہے امی ٹھیک کہتی ہیں وہ
 بہت بدل گئی ہے۔ ششے میں اپنا وجود دیکھا۔ کتنا خوش
 تھا۔ اک چمک بھی بے اختیار مسکرا دیا۔ راستے سے پھول
 لیے۔ پلٹتے پلٹتے اس کی نگاہ کونے میں رکھے بیک پر
 پڑی۔ ہلکی ہلکی گرد کی تہہ میں اضافہ ہو گیا تھا۔

شایان کا بیک بے اختیار ہی اسے اٹھا کر بیڈ پر
 رکھا اور کھولا۔ شاپرز میں بند اس کے کپڑے جوشاید اس
 نے پہنے ہی نہیں تھے۔ سرخ، سبز اور دھانی لکڑ کا۔
 اس سے نیچے ایک پیکٹ، گفٹ پیک تھا بے
 اختیار نکلا۔ اس پر نٹھانا سا کارڈ تھا۔ دھیرے سے
 کھولا۔

گلاب کی کلی پھیلی پر گر گئی۔ مرجھائی ہوئی باسی۔
 خوشبو اطراف میں پھیلی۔ سیاہ روشنائی سے لکھا تھا۔
 ”میرے نمسٹر تیری مڈر ہیں“ میرے جذب دل کی شدتیں
 میرا خواب میری بصارتیں میری دھڑکنیں میری چاہتیں
 میرے روز و شب کے نصاب میں میرے پاس اپنا تو کچھ نہیں
 تیرا فرض ہے میری زندگی میری سانس تیری امانتیں“
 دھیرے سے گفٹ پیک کھولا۔

پرفیوم کٹ اور باڈی اسپرے۔ اتنا پرانا تھا یہ۔
 وہ جا رہا تھا تو امی کے کہنے پر اس کے میکے سے لے کر آیا
 تھا اور دروازے پر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ خواہ مخواہ میں
 آنکھیں بھیگنے لگیں۔ محبت کرنے والوں کے ساتھ اتنی
 زیادتی ٹھیک نہیں..... عباد نے خود کو سرنش کی۔ کارڈ کو
 لبوں سے لگا کر چوم لیا۔

”آئی لو یو..... سوچ“ تمام تر محبتیں پھر سے زندہ
 ہو گئی تھیں مگر وہ سونی کب تھیں۔ انہوں نے تو خشکی کا
 لبادہ اوڑھ لیا تھا اور وہ موسموں کے ساتھ ساتھ دلوں
 نے بدلنا ہی ہوتا ہے۔ دھیرے سے اٹھ گیا۔ اس کی
 محبت کی شدت اس کے تن من میں پھیل گئی۔

☆☆☆

پھولوں کا بو کے قہام کروہ ڈاکٹر قاسم کے روم کے
 آگے سے گزرا تو انہوں نے بے اختیار آواز دے کر
 روک لیا۔
 ”عباد.....“ وہ بے اختیار پلٹا۔

اس کی محبت وہاں سے شروع ہوتی تھی جہاں
 عبادا سے چھوڑ گیا تھا۔ دھکار گیا تھا۔ انسانی نفرت
 اس پر طعنہ تشنیوں کی بارش کر دی تھی اور وہ پور پور
 اس کے درد میں بھگتی اسے پکارتی رہ گئی تھی۔ محبت میں
 انسان دھکا کھا کر گر پڑے یا تو وہ باغی ہو جاتا ہے یا پھر
 محبت میں مبتلا ہو کر پلٹ پڑتا ہے اور محبت کے پیچھے
 بھاگتا لپکتا ہے۔ عبادا اس کے لیے کیا تھا جانے کے بعد
 احساس ہوا تھا اور یہ احساس اتنا قوی ہو کر اس کے تن
 میں رقص کرنے لگا تھا کہ وہ سرتا پابدل گئی۔ تمام
 بری عادتوں کو چھوڑ دیا۔ رعنا بھابی کی حقارت..... راحہ
 بھابی کی جھکیں، ذو معنی طنزیہ نگاہیں اور نند بھابی کے رویے
 بھی اس نے عبادا کے لیے سب تھے۔

عبادا کے لیے اس نے خود کو ختم کر دیا۔ اپنے اندر
 کی زندہ لڑکی کو مار دیا۔ کیا اس کی محبت کمزور تھی۔ کیا
 محبت نے محبت کو اسی شدت سے نہیں پکارا مگر عبادا.....
 عبادا کرتا کیوں..... وہ..... وہ تو ان مردوں میں سے تھا

جو ایک بار گزر جائیں تو پلٹ کر نہیں دیکھتے پھر وہ رک کر
 کیا کرے۔ شدت برداشت سے اس کے ہونٹ لرز
 رہے تھے۔ پہلوں میں لرزش ہو رہی تھی۔ عبادی
 آنکھوں میں کوئی عکس اس کے نام کا نہیں تھا۔ وہ سر رہی
 تھی مگر عبادی آنکھوں میں جذبہ محبت نہیں تھی۔ وہ گر رہی
 تھی اس کو سنبھالنے کے لیے آگے نہیں بڑھا اور اس کا
 خون آلود وجود اس کے پیروں پر تھا۔ اسے تھانے کے
 لیے وہ جھکا نہیں۔ اس کے وجود میں کوئی عکس اس کے
 نام کا نہیں تھا۔ تو..... تو کب تک اس کی راہوں میں
 بھکار بن کر کھڑی رہے۔ بھکارن!..... آنسو
 آنکھوں کی دہلیز پار کر گئے۔

محبت کی بھکارن۔ شرق کی وفا شعار بیوی.....
 مگر..... ضروری نہیں زندگی میں ہر دفعہ ہر چیز اسی مقام
 پر ملے۔ وہ اب عبادا سے کچھ نہیں کہے گی اور یہ گھر چھوڑ
 دے گی اور اک نئی زندگی شروع کرے گی۔ حمزہ.....
 حمزہ تو اس کے بغیر رہنے کا عادی ہو گیا ہے.....

جاسوسی ڈائجسٹ

سپیشل ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ

ماہنامہ گرگشت

ماہنامہ دکش

متحدہ عرب امارات (U.A.E) کے معزز بک سیلز اور قارئین متوجہ ہوں

ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ پیلی کیشنز

کی جانب سے میسرز ویلکم بک شاپ، دبی کو فوری طور پر

متحدہ عرب امارات (U.A.E)

کے لئے سول ڈسٹری بیوٹر مقرر کر دیا گیا ہے۔

بک سیلز، دکان دار اور ہا کر حضرات مذکورہ بالا ماہناموں کے آرڈر
 بک کرانے کے لئے فوری طور پر مندرجہ ذیل پر رابطہ کریں۔

WELCOME BOOK SHOP

P.O. BOX 27869, KARAMA, DUBAI.
 PHONE: 04-3961016 FAX: 04-3961015 CELL: 050-3059259
 E-mail: welbooks@emirates.net.ae 050-6245817

”اور تم..... تم کیسے رہو گی.....؟ کوئی اندر سے بولا۔

”ایسے ہی.....“ اس کی ہچکیاں بندھنے لگیں۔
”جیسے عباد کے بغیر رہوں گی.....“ دونوں ہتھیلیاں آنکھوں پر رکھ لیں۔

عباد نے حیرت سے اس کے بیڈ کے پاس کھڑ ہو کر آنکھیں بند کیے اس کے روتے، چلتے، سکتے وجود کو دیکھا..... امی نے بتایا تھا اس نے کیسے تمہارے لیے خود کو پالش کیا ہے ورنہ عادتیں اس طرح نہیں بدلتیں دھیرے سے پھول اس کے سر ہانے رکھے۔ بیڈ کے سر ہانے ہاتھ رکھ کر دھیرے سے جھکا اور دوسرا ہاتھ اس کے بھیکے ہوئے رخسار پر رکھا۔ اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں اور سارکت ہو گئی۔ خود پر جھکا ہوا عباد..... آنکھوں میں رقم محبت۔ چہرے سے چمکتا پیارا اور اس کے وجود کی محور کن خوشبو..... اس کا لمس۔

”یا اللہ.....“ اس کے ہونٹوں سے نکلا اور دھیرے سے سوچتے ہوئے پوئے بند ہو گئے۔

”خواب ہے یا..... حقیقت“ خواب ہے تو اتنا بھر پور کہ عباد کا حدت آمیز لمس اس کی پیشانی پر ٹھہرا اک بار پھر آنکھیں کھل گئیں۔

”زندہ..... حقیقت..... عباد“
”کیسی ہو؟“ اس کی انگلیاں مڑگاں خشک کر رہی تھیں۔ وہ اک ٹک اسے دیکھتی رہی۔

”اتنی کمزور دل کی تو نہیں تھیں تم۔“ دھیرے سے پلکوں کو چھوا۔ ”کیا یقین نہیں آ رہا؟“ وہ اسے اپنے ہونے کا اپنے آنے کا یقین دلارہا تھا اور وہ پور بھگتی جاری تھی۔ اس کا وجود بھگ گیا تھا۔

”عباد.....“ وہ سسکی۔ عباد نے بے اختیار اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور اس کا وجود گویا پھٹ گیا وہ جی جیج کر رو دی۔ جانے کب کے کہاں کے رکے ہوئے آنسوؤں نے رستہ دیکھ لیا۔ ”کیوں آئے ہیں مر جانے دیں مجھے بری ہوں میں بہت بری۔“ وہ بھل بھل روئی اور اپنے مضبوط بازوؤں میں لیے عباد اسے اس کا ”اچھے“ ہونے کا یقین دلارہا تھا۔ اس کا لوٹنا ہی اس

کے اچھے ہونے کی دلیل تھی۔

مسلسل گریہ کمزوری نقاہت نے ایک ساتھ اس پر حملہ کیا۔ دوسرے لمحے وہ ہاتھوں سے سہلاتی بیڈ پر تھی۔
”شایان! شایان!..... شہنی۔“ حواس باختہ ہو کر عباد نے اسے جھنجھوڑ دیا۔

”شہنی..... شہنی آنکھیں کھولو۔ یار اب نہیں..... اب بہت ہو گیا۔ میں..... میں.....“ وہ رو دینے والا ہو گیا۔ اسے لٹا کر باہر بھاگا۔ ڈاکٹر قاسم نے آ کر اسے چیک کیا اور سب ٹھیک ہے کی نوید دی۔

”بس بے پناہ خوشی نے انہیں مدھوش کیا ہے۔“
”اوہ! سر..... خوشی سے اپنی بھگی پلکوں کو صاف کیا۔ مسکراتے ہوئے ڈاکٹر قاسم باہر نکل گئے۔ عباد نے پلٹ کر اسے دیکھا اور آگے بڑھ کر اس کے پہلو میں بیٹھ کر اک ہاتھ تھام کر دوسرا ہاتھ اس کے رخسار پر رکھا۔

”شایان..... شایان!.....!“ دھیرے سے پکارا اور اس پکار اس محبت کا تو اسے مدت سے انتظار تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو محبت اسی مقام پر تھی جہاں سے روٹھ کر چلی گئی تھی۔

”زندگی سے محبت کو نکال دیا جائے تو کیا رہ جاتا ہے جان عباد! میں..... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ لوٹ آیا ہوں۔ صرف تمہارے لیے.....“ لفظوں سے ہی نہیں لمس سے بھی اپنے ہونے کا احساس دلارہا تھا۔

”تمہاری جدوجہد تمہاری محنت تمہاری محبت رائگاں نہیں گئی۔ سچی محبت خود بخود ہی خود کو منوالیتی ہے۔“ وہ احساس شکر سے اسے دیکھے جاری تھی اور اس کی آنکھیں اک بار پھر بھگنے لگیں۔ احساس محبت سے۔

عباد نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس کے شانے سے سر نکا کر بازو پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ نرس شاری کا احساس خلوتوں کے ہم قدم..... رقص کرنے لگا۔

